بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہل سنت کون؟ حافظ ابو یحییٰ نور پوری

امام ابوبکر بن ابی عاصم رحمہ اللہ (م۲۸۷) فرماتے ہیں:

''مجھ سے سوال ہوا ہے کہ سنت کیا ہے؟ سنت ایک جامع نام ہے، جو بہت سے معانی کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، وہ معانی جو اہل علم نے بالاتفاق سنت کے کیے ہیں، مندرجہ ذیل ہیں:

۱☆ تقدیر کا اثبات ۔۲☆ فعل کی استطاعت فعل کے ساتھ متصل ہوتی ہے ۔۳☆ اچھی بری تقدیر پر ایمان ۔۴☆ ہر مطیع کی اطاعت توفیقِ الٰہی کی مرہونِ منت ہے اور ہر گناہ گار کی معصیت اللہ کی ناراضی کی وجہ سے ہے ۔۵☆ نیک بخت وہ ہے، جسے پہلے ہی (تقدیرِ الٰہی میں) خوش بختی مل گئی ہے اور بد بخت وہ ہے، جسے پہلے ہی (تقدیرِ الٰہی میں) بدبختی مل گئی ہے ۔۶☆ کائنات کی چیزیں اللہ تعالیٰ کے ارادہ ومشیئت سے خارج نہیں ۔۷☆ بندوں کے اچھے اور برے کام ان کے فعل ہیں اور خالقِ کائنات کی مخلوق ہیں ۔۸☆ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی فرمائی ہوئی کلام ہے، مخلوق نہیں، جو دلیل مل جانے کے بعد بھی اسے مخلوق سمجھے، وہ کافر ہے ۔ ۹☆ ایمان (زبان کے) قول اور (دل اور اعضاء کے) عمل کا نام ہے، اس میں کمی وبیشی ہوتی ہے ۔ ۱۰☆ اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا اثبات کہ مؤمن آخرت میں حقیقی طور پر اسے دیکھ سکیں گے، جیسا کہ احادیث میں بیان ہے ۔۱۱☆ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سب سے افضل ہیں، خلیفۂ راشد ہیں اور صحابۂ کرام میں سے خلافت کے سب سے زیادہ مستحق تھے، اسی طرح ان کے بعد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ ہے، پھر اسی طرح ان کے بعد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، پھر اسی طرح ان کے بعد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں ۔۱۲☆ عذابِ قبر ۱۳☆ منکر نکیر ۱۴☆ شفاعت ۱۵☆ حوضِ کوثر اور ۱۶☆ میزان (ان سب چیزوں کو برحق سمجھنا اور ان پر ایمان لانا) ۔۱۷☆ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے محبت، ان کے فضائل ومناقب کا اعتراف اور ان کی ذات وخلافت پر طعن وتشنیع سے اجتناب ۔۱۸☆ فوت ہونے والے مؤحدین کا جنازہ ۔۱۹☆ گناہ گار مؤحدین کے لیے دعائے رحمت اور ان کی بخشش کی امید ۔۲۰☆ وعید کو چھوڑ کر بندوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا۔

(السنة لابن ابی عاصم: ۱۰۲۷۔۱۰۳۲)

السنة

شمارہ نمبر۴، صفر۱۴۳۰ ہجری، فروری 2009ء

عالم الغیب کون؟ غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

علمِ غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، یہ اہلِ سنت کا اجماعی و اتفاقی عقیدہ ہے، جیسا کہ امامِ اہلِ سنت حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (٧٠١۔٧٧٤) لکھتے ہیں:

واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ یعلم ما کان وما یکون وما لم یکن ، لو کان کیف یکون ، وھذا مجمع علیہ عند أھل السّنّۃ والجماعۃ .

''اہلِ سنت والجماعت کا یہ اجماعی و اتفاقی عقیدہ ہے کہ جو ہو گیا، جو ہونے والا ہے اور جو نہیں ہوا، اگر وہ ہوتا تو کیسے ہوتا، اس کا علم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پاس ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر : ٥/٤٢، سورۃ العنکبوت ، تحت آیۃ : ٣)

١☆ ﴿**فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰہِ**﴾ (یونس : ٢٠) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ غیب اللہ کا خاصہ ہے۔''

٢☆ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿**قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ**﴾ (النمل : ٦٧)

''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ زمین و آسمان میں سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا۔''

حافظ ابنِ کثیر اس آیتِ کریمہ کے تحت لکھتے ہیں:

یقول تعالیٰ آمرا رسولہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم أن یقول معلّما لجمیع الخلائق : انّہ لا یعلم أحد من أھل السّماوات والأرض الغیب ، وقولہ (اِلَّا اللّٰہُ) استثناء منقطع ، ای : لا یعلم أحد ذلک الّا اللّٰہ عزّ وجلّ ، فانّہ منفرد بذلک وحدہ ، لا شریک لہ ، کما قال ﴿وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَآ اِلَّا ھُوَ﴾ (الانعام : ٥٩)

''اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ تمام مخلوقات کو (عقیدہ) سکھاتے ہوئے یہ فرما دیں کہ آسمان و زمین کا کوئی فرد بھی غیب نہیں جانتا، الا اللہ کے لفظ سے استثناء منقطع واقع ہوا ہے، یعنی غیب کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، وہ اس صفت میں یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَآ اِلَّا ھُوَ**﴾ (الانعام : ٥٩) (اسی کے پاس غیب کے خزانے ہیں، جن کو صرف وہی جانتا ہے)۔'' (تفسیر ابن کثیر : ٤/٦٨٠)

٣☆ ﴿**وَلِلّٰہِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ**﴾ (النحل : ٧٧) ''اور اللہ ہی کے لیے آسمان و زمین کا غیب ہے۔''

٤☆ ﴿**وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَآ اِلَّا ھُوَ**﴾ (الانعام : ٥٩)

''اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، ان کو صرف وہی جانتا ہے۔''

۵☆ ﴿لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَبْصِرْ بِهٖ وَ اَسْمِعْ﴾(الكهف : ٢٦)

''اسی کے لیے آسمان و زمین کا غیب ہے، وہ کیا خوب دیکھنے اور سننے والا ہے!''

۶☆ ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾(الاعراف : ١٨٨)

''(اے نبی!) کہہ دیجیے، میں اپنی جان کے لیے بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں، مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھے نقصان پہنچتا ہی نہ، میں تو صرف ایمان لانے والے لوگوں کو ڈرانے اور خوشخبری دینے والا ہوں۔''

اس آیتِ کریمہ کی تشریح میں حافظ ابنِ کثیر فرماتے ہیں:

أمره اللّٰه تعالىٰ أن يفوّض الأمور اليه ، وأن يخبر عن نفسه أنّه لا يعلم الغيب المستقبل ، ولا اطّلاع له على شيئ من ذلك الّا بما اطّلعه اللّٰه عليه .

''اللہ تعالیٰ نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ اپنے تمام تر معاملات اللہ کے سپرد کر دیں اور اپنے بارے میں یہ خبر دیں کہ وہ غیب دان نہیں، نہ ہی کسی چیز پر مطلع ہیں، سوائے اس کے کہ اللہ نے آپ کو اس پر مطلع کر دیا ہے۔''(تفسير ابن كثير : ٢٤٩/٣)

۷☆ ﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَا اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾(الاحقاف : ٩)

''(اے نبی!) کہہ دیں، میں کوئی نیا رسول نہیں، نہ ہی میں جانتا ہوں کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا، میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں، جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے، نیز میں صرف واضح ڈرانے والا ہوں۔''

مسئلہ علمِ غیب احادیث کی روشنی میں

۱☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

ومن حدّثك أنّه يعلم الغيب فقد كذب وهو يقول : لا يعلم الغيب الّا اللّٰه .

''جو آپ کو بتائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے، وہ جھوٹا ہے، حالانکہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود

فرماتے ہیں کہ غیب کی باتوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔‘‘

(صحیح بخاری : ۲ /۱۰۹۸، ح : ۷۳۸۰، صحیح مسلم : ۱ /۹۸، ح : ۱۷۷)

سبحان اللہ! بھائیو اور بہنو! ذرا غور کرو کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب خیال کرنے والے کو جھوٹا قرار دے رہی ہیں، قرآنِ کریم کی آیتِ کریمہ سے ثابت کر رہی ہیں کہ عالم الغیب صرف اللہ ہے، یاد رہے کہ اللہ کی صفت مخلوق میں ماننا شرک ہے، اپنا عقیدہ بنا لیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیب دان نہیں تھے، وحی کے ذریعہ سے آپ کو بتایا جاتا تھا، وحی کے بغیر آپ کچھ نہیں جانتے تھے۔

۲ ☆ سیدہ ربیع بنتِ معوّذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بچی نے کہا: **وفینا نبی یعلم ما فی غد** (ہمارے ہاں وہ نبی تشریف فرما ہیں، جو جانتے ہیں کہ کل کیا ہوگا؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تقولی هٰکذا . ’’ایسی بات مت کہو۔‘‘ (صحیح بخاری : ۲ /۵۷۰، ح : ۴۰۰۱)

سنن ابنِ ماجہ (۱۸۹۷، وسندہٗ صحیح) میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچی کو فرمایا:

ما یعلم ما فی غد الّا اللّٰه . ’’کل کی بات سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔‘‘

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں:

واللّٰه ما أدری وأنا رسول اللّٰه ما یفعل بی ولا بکم .

’’اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا، حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔‘‘ (صحیح بخاری : ۲ /۱۰۳۹، ح : ۷۰۱۷)

۳ ☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے، جب ہم بیداء یا ذات الجیش (یہ دونوں جگہ کے نام ہیں) میں تھے تو میرا ہار ٹوٹ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تلاش کرنے کے لیے پڑاؤ کیا، لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ پڑاؤ کر لیا اور وہ پانی کے پاس نہ تھے، لوگوں نے ابوبکر صدیق کے پاس آ کر کہا، کیا آپ نہیں دیکھتے جو عائشہ نے کیا ہے؟ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کو ٹھہرا دیا ہے، نہ وہ پانی کے پاس ہیں اور نہ ان کے پاس پانی ہے، ابوبکر آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ران پر سر مبارک رکھ کر سو چکے تھے، ابوبکر نے کہا، آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کو روک لیا ہے، نہ وہ پانی کے پاس ہیں اور نہ ان کے پاس پانی ہے، سیدہ عائشہ نے کہا کہ مجھے ابوبکر صدیق نے ڈانٹا اور جو اللہ کو منظور تھا کہا اور اپنے ہاتھ سے میرے پہلو میں کچوکے مارنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

میری ران پر ہونے نے مجھے ہلنے سے روکے رکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی کے بغیر صبح کو بیدار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی آیت نازل فرمائی، پھر لوگوں نے تیمّم کیا، اسید بن حضیر نے کہا، اے آلِ ابی بکر! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے (بلکہ آپ کی وجہ سے امت کو بے شمار برکتیں ملی ہیں)، سیدہ عائشہ نے کہا، پھر ہم نے وہ اونٹ اٹھایا، جس پر میں سوار تھی تو ہم نے ہار اس کے نیچے سے پالیا۔''

(صحیح بخاری: ١/ ٤٨، ح: ٣٣٤، صحیح مسلم: ١/ ١٦٠، ح: ٣٦٧)

یہ حدیث بھی علمِ غیب کی نفی پر دلیل ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہونے کی صورت میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو رکنا پڑا، اسی پریشانی میں صبح کی، پانی وضو کے لیے تو درکنار پینے کے لیے بھی نہ تھا، اللہ رب العزت نے تیمّم کی آیات نازل فرمادیں، کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ ہار کہاں ہے، ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے، بالآخر اونٹ اٹھایا تو اس کے نیچے سے ہار برآمد ہوا، کیا کوئی اس کے باوجود بھی کہہ سکتا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیب دان تھے؟

☆۴ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

انّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم صلّى في نعليه، فصلّ النّاس في نعالهم، ثم ألقىٰ نعليه، فألقى النّاس نعالهم وهم في الصّلوٰة، فلمّا قضىٰ صلوته قال: ما حملكم على القاء نعالكم في الصّلوٰة؟ قالوا: يا رسول اللّٰه! رأيناك فعلت ففعلنا، فقال: انّ جبريل أخبرني أنّ فيهما أذى، فاذا أتىٰ أحدكم المسجد، فلينظر، فان رأىٰ في نعليه أذى، فليخلعهما، والّا فليصلّ فيهما.

''رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جوتوں میں نماز پڑھائی، لوگوں نے بھی اپنے جوتوں میں نماز پڑھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دورانِ نماز ہی) اپنے جوتے اتار دیئے، لوگوں نے بھی نماز میں اپنے جوتے اتار دیئے، جب آپ نے نماز مکمل کی تو فرمایا، تمہیں نماز میں جوتے اتارنے پر کس چیز نے مجبور کر دیا؟ صحابہ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! ہم نے آپ کو ایسا کرتے دیکھا تو کر لیا، آپ نے فرمایا، بے شک جبریل نے مجھے بتایا تھا کہ ان جوتوں میں گندگی ہے، جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو اپنے جوتوں کو دیکھے، اگر ان میں گندگی دیکھے تو اتار دے، ورنہ ان میں ہی نماز پڑھ لیا کرے۔''

(مسند الطيالسى: ص ٢٨٦، مسند الامام احمد: ٣/ ٢٠، سنن ابى داوٗد: ٦٥٠، مسند عبد بن حميد: ٨٨٠، مسند ابى يعلىٰ: ١١٩٤، السنن الكبرٰى للبيهقى: ٢/ ٤٠٦، وسندهٗ صحيح)

اس حدیث کو امام ابنِ خزیمہ (١٠١٧) اور امام ابنِ حبان (٢١٨٥) نے ''صحیح'' کہا ہے، حافظ حاکم

(۱/ ۲٦۰) نے اس کو امام مسلم کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

حافظ نووی نے بھی اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔ (خلاصۃ الاحکام: ۱/ ۳۱۹)

قارئین! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ میرا جوتا نجاست آلودہ ہے، جبریل کے بتانے پر اتارا، یہ حدیثِ پاک آپ کے عالم الغیب ہونے کی نفی کرتی ہے۔

☆۵ بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

خمسٌ لا یعلمهن الّا اللّٰه تعالیٰ : ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ وَ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ وَ یَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَکۡسِبُ غَدًا وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ﴾(لقمان: ۳٤)

''پانچ چیزوں کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں، (پھر آپ نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ وَ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ وَ یَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَکۡسِبُ غَدًا وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ﴾ (لقمان: ۳٤) (بے شک اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم اور وہی بارش برساتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ مادہ کے رحموں میں ہے اور نہیں جانتی کوئی جان کیا وہ کل کو کمائے گی اور نہ جانتی ہے کوئی جان کہ کس جگہ اسے موت آئے گی، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا خوب خبر رکھنے والا ہے)۔'' (مسند الامام احمد: ۵/ ۳۵۳، وسندهٗ حسن)

حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: **رجال أحمد رجال الصّحیح** .(مجمع الزوائد: ۷/ ۸۹۔۹۰)

حافظ سیوطی نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔ (الدر المنثور: ٦/ ۵۳۷) یہ دلیل عدمِ غیب پر برہانِ عظیم ہے۔

☆٦ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عید کے بعد گھر تشریف لائے، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی (دروازے پر) آئی، ملاقات کی اجازت مانگ رہی تھی، کہا گیا، اے اللہ کے رسول! یہ زینب ہے، آپ نے فرمایا، أیّ الزّیانب؟ کون سی زینب؟ کہا گیا، عبداللہ بن مسعود کی بیوی، فرمایا، ہاں، اسے اندر آنے دو!

(صحیح بخاری: ۱/ ۱۹۷، ح: ۱٤٦۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھا کہ دروازے پر کون ہے، یہ علمِ غیب کی نفی پر زبردست دلیل ہے۔

☆۷ **عن محمود بن لبید عن رجال من بنی عبد الأشهل قالوا : فقال زید بن اللّصیت وهو فی رحل عمارة ، وعمارة عند رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم : ألیس محمّد یزعم أنّه نبیّ ویخبرکم عن خبر السّماء ، وهو لا یدری أین ناقته ؟ فقال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم**

وعـمـارة عنده أنّ رجلا قال : هذا محمّد يخبركم أنّه نبيّ ويزعم أنّه يخبركم بأمر السّماء وهو لا يـدرى أيـن نـاقتـه ؟ وانّـى والـلّـه ما أعلم ما علمنى اللّٰه وقد دلّنى اللّٰه عليها ، وهى فى الوادى فى الشّعب كذا وكذا ، قد حبسها شجرة بزمامها ، فانطلقوا حتى تأتونى بها ، فذهبوا ، فجاؤا بها .

''محمود بن لبید بنوعبدالاشہل کے لوگوں سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں، زید بن اللصیت نے کہا، وہ عمارہ کی رہائش گاہ پر تھا اور عمارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ وہ نبی ہیں اور تمہیں آسمان کی خبریں بتاتے ہیں، وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جبکہ عمارہ آپ کے پاس تھے کہ ایک شخص نے کہا، یہ محمد تمہیں خبر دیتا ہے کہ وہ نبی ہے اور کہتا ہے کہ وہ تمہیں آسمان کی خبر دیتا ہے، وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کی اونٹنی کہاں ہے؟ اللہ کی قسم! میرے پاس وہی علم ہے جو اللہ نے مجھے سکھایا ہے اور اس اونٹنی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے آگاہی دے دی ہے کہ وہ فلاں وادی کی فلاں گھاٹی میں ہے، اس کی لگام درخت کے ساتھ اٹکی ہوئی ہے، جاؤ، اسے میرے پاس لے آؤ! وہ اسے لے کر آ گئے۔'' (المغازی لابن اسحاق کما فی السیرۃ لابن ہشام : ۲ /۵۲۳، وسندہٗ حسن، وابن اسحاق وثقہ الجمہور)

یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علمِ غیب نہیں تھا، بلکہ آپ اللہ کی وحی سے معلوم کر لیتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿تِلْکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْکَ مَا کُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا﴾ (ھود:۴۹)

''یہ باتیں غیب کی خبروں میں سے ہیں، جنہیں ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں، اس سے پہلے نہ آپ ان کو جانتے تھے نہ آپ کے قوم کے لوگ۔''

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا وآخرت کے متعلق جو باتیں اور پیشین گوئیاں کی ہیں، وہ اللہ کی وحی سے کی ہیں، جیسا کہ آپ نے غزوۂ بدر کے موقع پر مختلف جگہوں پر اپنا ہاتھ مبارک رکھ کر فرمایا کہ کل اس جگہ فلاں کافر اور اس جگہ فلاں کافر قتل ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (صحیح مسلم : ۲/۱۰۲، ح : ۱۷۷۹)

یہ بات آپ نے علم یعنی وحی سے بتائی۔

☆۸ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مـا أدرى تبّـع ألـعيـنـاً كـان أم لا ؟ ومـا أدرى ذاالـقـرنيـن أنبيّاً كان أم لا ؟ وما أدرى الحدود كفّارات لأهلها أم لا ؟

''میں نہیں جانتا کہ تبع (قوم سبا کا سردار) لعین تھا یا نہیں، میں نہیں جانتا کہ ذوالقرنین نبی تھا یا نہیں، نیز حدود لوگوں کے لیے کفارہ بنتی ہیں یا نہیں؟''

(سنن ابی داوٗد : ٤٦٧٤، البزار (کشف : ١٥٤٣)، السنن الکبریٰ للبیھقی : ٨/٣٢٩، واللفظ له ، وسندہٗ صحیح)

امام حاکم کہتے ہیں: هٰذا حديث صحيح علىٰ شرط الشّيخين ، ولا أعلم له علّة .

''یہ حدیث بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے، مجھے اس میں کوئی علت معلوم نہیں۔'' (١/٣٦، ٢٠٣٦/١٧)

حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، حافظ ابن حزم فرماتے ہیں: سندهٗ صحيح ولا نعلم له علّة .(المحلّٰی : ١٣/١٤) ، حافظ ہیثمی کہتے ہیں: رجاله رجال الصّحيح . (مجمع الزوائد : ٦/٢٦٥) حافظ ابن حجر کہتے ہیں: صحيح علىٰ شرط الشّيخين . (فتح الباری : ١/٧٢) ، ابن ترکمانی حنفی کہتے ہیں: سندهٗ صحيح (الجوهر النقی : ٨/٣٢٩)

یہ حدیث اس بات پر بیّن دلیل ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب نہ تھا، ان میں سے بعض چیزیں اللہ تعالیٰ نے بعد میں آپ کو بتادی تھیں۔

☆٩ عن عائشة أنّ يهودية كانت تخدمها ، فلا تضع عائشة اليها شيئا من المعروف الّا قالت لها اليهوديّة : وقاك الله عذاب القبر ، قالت : فدخل رسول الله صلّى الله عليه وسلّم علىّ ، فقلت : يا رسول الله ! هل للقبر عذاب قبل يوم القيامة ؟ قال : لا ، وعمّ ذٰلك ، قالت : هذه اليهوديّة لا نضع اليها من المعروف شيئا الّا قالت : وقاك الله عذاب القبر ، قال : كذبت اليهود ، وهم على الله عز وجل كذب ، لا عذاب دون يوم القيامة ، قالت : ثمّ مكث بعد ذٰلك ما شاء اللّٰه أن يمكث ، فخرج ذات يوم نصف النّهار مشتملا بثوبه محمرّة عيناه وهوينادى بأعلىٰ صوته : أيّها النّاس ! أظلّتكم الفتن كقطع اللّيل المظلم ، أيّها النّاس ! لو تعلمون ما أعلم لبكيتم كثيرا و ضحكتم قليلا ، أيّها النّاس ! استعيذوا بالله من عذاب القبر ، فانّ عذاب القبر حقٌّ.

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت ان کی خدمت کرتی تھی، جب بھی عائشہ رضی اللہ عنہا اس سے کوئی نیکی کرتیں تو وہ کہتی، اللہ آپ کو عذابِ قبر سے بچائے! ایک دن رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو عرض کی، اے اللہ کے رسول! کیا قیامت سے پہلے قبر کا کوئی عذاب ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے عرض کی، یہ یہودی عورت جب بھی میں اس سے کوئی نیکی کرتی ہوں تو کہتی ہے، اللہ آپ کو قبر کے عذاب سے محفوظ فرمائے! آپ نے فرمایا، یہودی جھوٹے ہیں، یہ اللہ پر جھوٹ

بولتے ہیں، قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں، پھر جتنی دیر اللہ نے چاہا، آپ ٹھہرے رہے، پھر ایک دن دوپہر کے وقت کپڑے لپیٹے ہوئے آپ باہر نکلے، آپ کی آنکھیں سرخ تھیں، با آوازِ بلند فرما رہے تھے، اے لوگو! تمہیں رات کی تاریکی کی طرح فتنوں نے گھیر لیا ہے، اے لوگو! اگر تمہارے پاس وہ علم آجائے، جو میرے پاس ہے تو تم زیادہ رونے اور کم ہنسنے لگو، اے لوگو! قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ پکڑو، کیونکہ عذابِ قبر برحق ہے۔'' (مسند الامام احمد: ٦ /٨١، وسندہٗ صحیح)

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عذابِ قبر کا علم نہ تھا، بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی آگاہی دی، یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ آپ ''ما کان وما یکون'' کا علم نہیں رکھتے تھے۔

١٠☆ سیدنا سلمہ بن اکوع کہتے ہیں:

کان رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فی قبۃ حمراء اذا جاء ہ رجل علی فرس عقوق یتبعھا مھرہ، فقال: من أنت؟ قال: أنا رسول اللّٰہ، قال: متی السّاعۃ؟ قال: غیب، ولا یعلم الغیب الا اللّٰہ، قال: فما فی بطن فرسی؟ قال: غیب، ولا یعلم الغیب الا اللّٰہ، قال: فأعطنی سیفک، قال: ھا، فأخذہ، فسلّہ، ثمّ ھزّہ، فقال: رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم انّک لن تستطیع الّذی أردتّ، ثمّ قال: انّ ھٰذا أقبل، فقال: آتیہ، فأسألہ، ثمّ آخذ سیفی، فأقتلہ، فغمد السّیف.

''نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سرخ رنگ کے شامیانے میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک شخص نمودار ہوا، جو حاملہ اونٹنی پر سوار تھا اور اس کا بچھڑا اس کے پیچھے چل رہا تھا، اس نے (آتے ہی) کہا، آپ کون ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اللہ کا رسول ہوں، کہا، قیامت کب آئے گی؟ فرمایا، یہ غیب کی بات ہے اور غیب اللہ ہی جانتا ہے، کہنے لگا، میری گھوڑی کے پیٹ میں کیا ہے؟ فرمایا، یہ غیب کی بات ہے اور غیب اللہ ہی جانتا ہے، کہا، مجھے اپنی تلوار دیں، فرمایا، پکڑو، اس تلوار کو میان سے نکال کر لہرایا، آپ نے فرمایا، تم جو چاہتے ہو، اسے کر گزرنے کی استطاعت نہیں رکھتے، پھر فرمایا، یہ شخص اس ارادہ سے آیا تھا کہ میں آپ کے پاس جاؤں گا، سوال کروں گا، پھر (موقع پاکر) تلوار سے ان کا کام تمام کردوں گا، پھر اس نے تلوار میان میں ڈال دی۔''

(المستدرك للحاکم: ١ /٨، المعجم الکبیر للطبرانی: ١٨/٧، والسیاق لہٗ، مسند الرؤیانی: ١١٤٨، وسندہٗ صحیح)

اس حدیث کو امام حاکم نے ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی نے اس کو امام مسلم کی شرط پر ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

حافظ ہیثمی کہتے ہیں: **رجالہ رجال الصّحیح**. (مجمع الزوائد: ٢٢٧/٨)

تشہد کے بعد بے وضو ہو جائے تو!!! غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز کا اختتام سلام سے کرتے تھے، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

و كان يختم الصّلوٰة بالتّسليم . ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز سلام کے ساتھ ختم کرتے تھے۔''

(صحیح مسلم: ۱ /۱۹٤، ح: ٤۹۸)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

كنت أرىٰ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم يسلم عن يمينه وعن يساره حتّٰى أرىٰ بياض خدّه

''میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرتے ہوئے دیکھتا تھا، یہاں تک کہ میں آپ کے رخسار مبارک کی سفیدی دیکھ لیتا۔'' (صحیح مسلم: ۱ /۲۱٦، ح: ۵۸۲)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی یوں رہنمائی فرمائی:

ثمّ يسلّم علىٰ أخيه من علىٰ يمينه وشماله .

''پھر وہ (نمازی تشہد کے بعد) اپنے دائیں اور بائیں (نمازی) بھائی پر سلام کہے۔'' (صحیح مسلم: ٤۳۱)

یہ اور ان جیسی دوسری احادیثِ مبارکہ کے خلاف آلِ تقلید یوں ہرزہ سرائی کرتے ہیں:

وان سبقه الحدث بعد التّشهد توضّأ وسلّم ، فان تعمّد الحدث فى هذه الحالة أو تكلّم أو عمل عملا ينافى الصّلوٰة تمّت صلوٰتهٗ .

''اگر کسی (نمازی) کی تشہد کے بعد غیر دانستہ طور پر ہوا خارج ہو گئی تو وضو کرے گا اور سلام پھیرے گا، اگر جان بوجھ کر ہوا خارج کر دی یا نماز کے منافی کوئی کام کر دیا تو اس کی نماز مکمل ہو گئی۔''

(القدوری: باب الجماعة ، ص: ۲۰، الهداية: باب الحدث فى الصلوٰة ۱۰ /۳۷)

جناب اشرف علی تھانوی دیوبندی کہتے ہیں:

''جمہور کے نزدیک نماز سے خروج فقط السلام علیکم ورحمۃ اللہ سے حاصل ہوتا ہے اور امام (ابوحنیفہ) صاحب کے نزدیک اگر کوئی شخص تشہدِ اخیر کے بعد قصداً حدث (جان بوجھ کر ہوا خارج) کر دے یا اور کوئی فعلِ منافی الصلوٰۃ کر دے تو بھی نماز سے خارج ہو جائے گا۔'' (تقریرِ ترمذی از تھانوی: ٦۲)

مقلدین یہ کہتے ہیں کہ اگر تشہد کے بعد سہواً ہوا خارج ہو جائے تو وضو کرے گا، پھر اس پر بنیاد ڈال کر مکمل کرے گا، یعنی سلام کے ساتھ نماز سے خارج ہوگا، لیکن اگر جان بوجھ کر تشہد کے بعد ہوا خارج کر دی تو سلام کی ضرورت باقی نہیں رہے گی، نماز مکمل ہے۔

قارئین! انصاف شرط ہے، یہ حدیث کا اتباع ہے یا اس کی مخالفت؟ ہم کہتے ہیں کہ یہ فرق شریعتِ مطہرہ کی کسی دلیل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی سے سلام کے علاوہ نماز سے خارج ہونا قطعاً ثابت نہیں، یہ نماز جو دینِ اسلام کا بنیادی رکن ہے، اس کے ساتھ سنگین مذاق ہے، یہ جرم ہے، بلکہ جرمِ عظیم ہے۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

اذا فسا أحدکم فی الصّلوٰۃ فلینصرف فلیتوضّأ ولیعد الصّلوٰۃ .

''تم میں سے کوئی جب نماز میں پھسکی لگائے تو وہ لوٹ کر وضو کرے اور اپنی نماز لوٹائے۔''

(سنن ابی داؤد : ۲۰۵، ۱۰۰۵، سنن ترمذی : ۱۰۶۴۔۱۰۶۶، سنن دارمی : ۱/۲۶۰، وسندهٗ حسن)

اس حدیث کو امام ترمذی نے ''حسن'' اور امام ابنِ حبان (۲۲۳۷) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

اس کے راوی مسلم بن سلام الحنفی کو امام ابن حبان، امام ابنِ شاہین نے ''ثقہ'' قرار دیا ہے، امام ترمذی نے اس کی حدیث کی تحسین کر کے اسے ''ثقہ'' قرار دیا ہے، ایسے راوی کی حدیث ''حسن'' درجہ سے کم نہیں ہوتی۔

یہ حدیث واضح پتا دیتی ہے کہ جو شخص نماز میں بے وضو ہو جائے، وہ نماز دہرائے گا، نہ کہ وضو کر کے پڑھی ہوئی نماز پر بنیاد ڈالے گا، محدثین کرام اس حدیث سے یہی مسئلہ ثابت کرتے ہیں۔

اب ہم انتہائی اختصار کے ساتھ مقلدین کے دلائل کا علمی اور تحقیقی جائزہ پیش کرتے ہیں:

دلیل نمبر ۱:

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا أحدث ، یعنی الرّجل ، وقد جلس فی آخر صلوته قبل أن یسلّم فقد جازت صلوتهٗ .

''جب آدمی آخری تشہد میں بیٹھنے کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے بے وضو ہو جائے تو اس کی نماز ہو گئی۔''

(سنن ابی داوٗد : ٦١٧، سنن ترمذی : ٤٠٨، واللفظ لهٗ ، سنن دارقطنی : ١/٣٧٩، السنن الکبریٰ للبیهقی : ١٧٦/٢، شرح معانی الآثار للطحاوی : ١/٢٧٤)

تبصرہ : یہ روایت ''ضعیف'' ہے۔

اس حدیث کے بارے میں:

۱☆ حافظ نووی(٦٣١-٦٧٦) لکھتے ہیں:

ضعیف بالاتّفاق وضُعْفُهُ مشهورٌ فی کتبهم .

''یہ حدیث حفاظ (محدثین) کے نزدیک بالاتفاق ضعیف ہے، ان (محدثین) کی کتابوں میں اس کا ضعیف ہونا مشہور ہے۔'' (المجموع: ٣/٤٢٥)

۲☆ حافظ ابنِ حجر لکھتے ہیں: **فقد ضعّفه الحفّاظ .**

''یقیناً حفاظ (محدثین) نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔'' (فتح الباری: ٢/٣٢٣)

۳☆ امام ترمذی فرماتے ہیں: **هٰذا الحدیث اسناده لیس بذاک القویّ .**

''اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔'' (جامع ترمذی تحت حدیث: ٤٠٨)

۴☆ امام بیہقی لکھتے ہیں: **لا یصحّ .** ''یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔''

۵☆ امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں: **هٰذا الحدیث لا یصحّ لضعف اسناده واختلافهم فی لفظه .**

''یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند ضعیف ہے اور راوی اس کے الفاظ بیان کرنے میں مختلف ہیں۔''

(التمهید لابن عبد البر: ١٠/٢١٤)

۶☆ حافظ خطابی فرماتے ہیں: **هٰذا الحدیث ضعیف وقد تکلّم النّاس فی بعض نَقَلَتِهٖ وقد عارضته الأحادیث الّتی فیها ایجاب التّشهد والتّسلیم .**

''یہ حدیث ضعیف ہے، لوگوں نے اس کے بعض راویوں پر کلام کی ہے، پھر وہ احادیث بھی اس کے معارض ومخالف ہیں، جو تشہد اور سلام کے وجوب پر دلالت کناں ہیں۔'' (معالم السنن: ١/١٤٠)

اس کا مرکزی راوی عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم الافریقی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔ اس کو امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن سعید القطان، امام یحییٰ بن معین، امام ابوزرعہ الرازی، امام نسائی، امام عبدالرحمٰن بن مہدی، امام بخاری(الضعفاء: ص ٧٠)، امام یعقوب بن شیبہ، امام دارقطنی، امام ساجی، امام ابن حبان، امام ابن عدی، امام جوزجانی، امام البزار، امام ابن خزیمہ، امام ابواحمد الحاکم، امام ابن القطان الفاسی(الوهم والایهام: ٢/١٤٩)، حافظ ذہبی(تلخص المستدرك: ٤/٣١٩) وغیرہم نے ''مجروح'' اور ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

اس کے بارے میں حافظ نووی فرماتے ہیں: **ضعیف بالاتّفاق.** ''یہ بالاتفاق ضعیف ہے۔''

(خلاصة الاحکام: ١/٤٤٩، المجموع: ٣/٤٠٧)

حافظ عراقی (۷۲۵۔۸۰٦) فرماتے ہیں: **ضعّفه الجمهور** . ''اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار)

حافظ ہیثمی (م ۸۰۷) فرماتے ہیں: **والجمهور علیٰ تضعیفه** . ''جمہور اس کو ضعیف کہتے ہیں۔''

(مجمع الزوائد : ۱۰ /۲۵۰)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: **ضعیف فی حفظه** . (تقریب التهذیب : ۳۸٦۲)

تنبیه ۱ :

جناب محمد تقی عثمانی حیاتی دیوبندی کہتے ہیں:

''(اس) حدیثِ باب کو امام ترمذی نے عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم افریقی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن درحقیقت وہ ایک مختلف فیہ (حسن الحدیث ۔غ،م) راوی ہیں، جہاں بعض حضرات نے ان کی تضعیف کی ہے، وہیں بعض نے ان کی توثیق بھی کی ہے، لہٰذا یہ حدیث کم از کم ''حسن'' ضرور ہے۔''

(درسِ ترمذی از تقی: ۲ /۱۸٤)

ایک دوسرے مقام پر اسی راوی کے بارے میں تقی صاحب کہتے ہیں:

''رشدین بن سعد اور عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم افریقی واضح طور پر ضعیف ہیں۔''

(درسِ ترمذی از تقی : ۱ /۲٦۰)

انصاف کو تقی عثمانی صاحب سے شکایت ہے کہ وہ اس کا ساتھ نہیں دیتے، ایک ہی راوی اپنے مطلب کی بیان کرے تو وہ مختلف فیہ (حسن الحدیث) اور اس کی حدیث حسن ہوتی ہے، وہی اپنے مطلب کے خلاف بیان کرے تو ''واضح طور پر ضعیف'' ہو جاتا ہے۔

تنبیه ۲ :

جناب محمد یوسف بنوری دیوبندی نے نصب الرایہ (۲ /٦۳) کے حوالے سے لکھا ہے کہ جعفر بن عون نے عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم افریقی کی متابعت کی ہے۔

(معارف السنن از بنوری : ٤ /۳٤، نیز دیکھیں احقاق الحق از کوثری : ۳٤)

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت امام زیلعی حنفی کا وہم ہے، اگرچہ امام عینی حنفی نے بھی زیلعی کی تقلید کی ہے۔

(دیکھیں شرح سنن ابی داؤد از عینی حنفی : ۱۳۹/۳، ح : ۵۹۸)

جعفر بن عون کہتے ہیں: ''**حدّثنی عبدالرّحمٰن بن رافع وبکر بن سوادة**'' جعفر بن عون ۱۲۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور عبدالرحمٰن بن رافع ۱۳۳ ہجری میں فوت ہوئے، بکر بن سوادہ ۱۲۸ ہجری میں اندلس

میں فوت ہوئے، اب بتائیں کہ جعفر بن عون ''حدثنی'' کیسے کہہ سکتے ہیں، اس پر سہا گہ یہ کہ ان دونوں کو جعفر بن عون کے استاذوں میں ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ محدثین نے ان کو عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم کے اساتذہ میں ذکر کیا ہے، جو زیلعی کی سند سے ساقط ہے۔

محدثین نے اس حدیث کو زوائد اسحاق بن راہویہ میں بھی ذکر نہیں کیا، ثابت ہوا کہ مسند اسحاق بن راہویہ کی سند سے عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی گر گیا ہے اور اس روایت کا دارومدار اسی پر ہے، جو کہ جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ عبدالرحمٰن بن زیاد کی متابعت جعفر بن عون نے کی ہے، سراسر جہالت اور دھوکا دہی ہے، جو بے تکی اور اندھی تقلید کا نتیجہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں خود بخود ہوا خارج ہونے اور جان بوجھ کر ہوا خارج کرنے کا فرق بالکل موجود نہیں ہے، جو کہ احناف کرتے ہیں۔

دلیل نمبر ۲:

سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

انّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم کان اذا فرغ من التّشهّد أقبل علینا بوجهه وقال : من أحدث حدثا بعد ما یفرغ من التّشهّد فقد تمّت صلوته .

''رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشہد سے فارغ ہو کر ہماری طرف متوجہ ہوتے تھے اور فرماتے تھے، جو شخص تشہد سے فارغ ہونے کے بعد بے وضو ہو گیا، اس کی نماز مکمل ہو گئی۔'' (حلیة الاولیاء لابی نعیم : ۱۱۱/۵)

تبصرہ :

۱☆ یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے، اس کے راوی صالح بن احمد بن مقاتل کے بارے میں امام دارقطنی فرماتے ہیں: کذّاب دجّال ، یحدّث بما لم یسمعه .

''یہ پرلے درجے کا جھوٹا اور دجال ہے، یہ ان سنی روایات بیان کرتا تھا۔''

(لسان المیزان لابن حجر : ۱۶۵/۳، وفی نسخة ۳ /۵۲٦)

نیز فرماتے ہیں کہ یہ ''متروک'' راوی ہے۔ (سوالات الحاکم : ۱۱۳)

امام ابن عدی فرماتے ہیں: یسرق الحدیث ویلزق الأحادیث .

''یہ حدیث چوری کرتا تھا اور مختلف احادیث کو آپس میں ملا دیتا تھا۔'' (الکامل لابن عدی : ٤ /۷۳)

امام برقانی فرماتے ہیں کہ یہ ''ذاہب الحدیث'' ہے۔(لسان المیزان : ۳/۱٦٥)

۲☆ اس روایت کے دوسرے راوی یحییٰ بن مخلد المفتی کی ''توثیق'' مطلوب ہے۔

۳☆ اس میں خود بخود وضوٹوٹ جانے اور جان بوجھ کر وضوتوڑنے کا فرق موجود نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۳:

عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں:

انّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم کان اذا قضی التّشهّد فی الصّلوٰة أقبل علی النّاس بوجهه قبل أن ینزل التّسلیم .

''سلام کے نازل ہونے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تشہد مکمل کرتے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوجاتے تھے۔''(حلیة الاولیاء : ٥/۱۱۷، السنن الکبریٰ للبیهقی : ۲ /۱۷٥)

تبصرہ :

یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے''ضعیف'' ہے،عطاء بن ابی رباح تابعی ہیں جو براہِ راست نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کررہے ہیں۔اس کی ایک سند ''معرفة السنن والآثار للبیہقی(۳۸۸۲-۳۸۸۳) ''میں ہے، وہ بھی اسی وجہ سے''ضعیف'' ہے۔

اس میں خود بخود ٹوٹنے یا جان بوجھ کر وضوتوڑنے کا ذکر نہیں، نیز یہ احادیثِ صحیحہ کے بھی خلاف ہے۔

دلیل نمبر ٤:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

اذا جلس مقدار التّشهّد ثمّ أحدث فقد تمّت صلوتهٗ .

''جب وہ (نمازی) تشہد کی مقدار بیٹھ گیا، پھر بے وضو ہوگیا تو تحقیق اس کی نماز پوری ہوگئی۔''

(السنن الکبریٰ للبیهقی : ۲/۱۷۳)

تبصرہ :

۱☆ اس کی سند''ضعیف'' ہے، اس میں الحکم بن عتیبہ راوی ''مدلس'' ہے، امام عینی حنفی نے اس کو ''مدلس'' کہا ہے(عمدة القاری از عینی : ۲۱ /۲٤۸)

یہ''عن'' سے بیان کررہا ہے، یہ مسلّم قاعدہ ہے کہ''ثقہ مدلس'' جب بخاری ومسلم کے علاوہ''عن'' یا ''قال'' کے ساتھ روایت کرے تو یہ روایت''ضعیف'' ہوتی ہے۔

۲☆ اس میں جان بوجھ کر ہوا خارج کر دینے یا خود بخود دہو جانے کا فرق موجود نہیں۔

۳☆ یہ صحیح مرفوع احادیثِ مبارکہ کے بھی خلاف ہے۔

دلیل نمبر ۵:

قال الامام ابن أبی شیبة حدّثنا أبومعاویة عن حجّاج عن أبی اسحاق عن الحارث عن علیّ ، قال : اذا جلس الامام فی الرّابعة ، ثمّ أحدث ، فقد تمّت صلوته ، فلیقم حیث شاء .

''جب امام چوتھی رکعت میں بیٹھ جائے ، پھر بے وضو ہو جائے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی ، جیسے چاہے ، اٹھ جائے۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ۴۸۸/۲)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔

۱☆ اس کی سند میں ابومعاویہ الضریر ''مدلس'' ہیں، جو ''عن'' سے بیان کر رہے ہیں۔

۲☆ اس میں حجاج بن ارطاۃ ''ضعیف، مدلس'' ہے، اس کے بارے میں حافظ نووی لکھتے ہیں:

الحجّاج بن أرطاة اتّفقوا علیٰ أنّه مدلّس ، وضعّفه الجمهور ، فلم یحتجّوا به .

''حجاج بن ارطاۃ راوی بالاتفاق مدلس ہے، جمہور نے اسے ضعیف قرار دے کر اس سے حجت نہیں لی۔''

(تهذیب الاسماء واللغات للنووی : ۱/ ۱۵۲)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ حجاج بن ارطاۃ جمہور کے نزدیک ''غیر محتج بہ'' (نا قابلِ احتجاج) ہے۔

(میزان الاعتدال : ٤/ ۲۹٦)

حافظ ابن العراقی کہتے ہیں: **ضعّفه الجمهور .** ''جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(طرح التثریب لابن العراقی : فی استحباب الصلوٰة)

حافظ ابنِ حجر لکھتے ہیں: **فانّ الأکثر علیٰ تضعیفه والاتّفاق علیٰ أنّه مدلّس .**

''اکثر محدثین اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں، یہ بالاتفاق مدلس ہے۔'' (التلخیص الحبیر : ۲۲٦/۲)

۳☆ اس کی سند میں ابواسحاق السبیعی ''مدلس و مختلط'' ہے۔

۴☆ اس کی سند میں الحارث بن عبداللہ الاعور ''ضعیف و مدلس'' ہے۔

حافظ نووی لکھتے ہیں: **والحارث ضعیف باتّفاقهم .** (خلاصة الاحکام : ۱/ ٤۱۷)

نیز لکھتے ہیں: **وقد اتّفقوا علیٰ أنّ الحارث کذّاب .** (ایضاً : ۱/ ۵۰۵)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: **والجمهور علیٰ توهین أمره .** (میزان الاعتدال : ۱/ ٤۳۷)

حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: وضعّفه الجمهور وقد وُثِّقَ .
''جمہور نے اس کو ضعیف کہا ہے، نیز اس کی توثیق بھی کی گئی ہے۔'' (مجمع الزوائد : ۹/ ۱۵۰)
نیز لکھتے ہیں: والحارث ضعيف .(مجمع الزوائد : ۱/ ۳۰۲)
حافظ ابنِ حجر لکھتے ہیں: والحارث ضعيف جدّاً. ''حارث بن عبداللہ الاعور سخت ضعیف ہے۔''
(النکت علی کتاب ابن الصلاح : ۱/ ۳٤۰)

۵☆ اس میں خود بخود ہوا خارج ہونے یا جان بوجھ کر ہوا خارج کرنے کا فرق مذکور نہیں، نیز یہ احادیثِ صحیحہ کے بھی خلاف ہے۔

دلیل نمبر ٦:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تشہد کے بارے میں حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:
اذا قلت هٰذا أو قضيت هٰذا ، فقد قضيت صلوتک ، ان شئت أن تقوم فقم ، وان شئت أن تقعد فاقعد .
''جب تو یہ تشہد پڑھ لے تو تیری نماز پوری ہے، چاہے تو کھڑا ہو جا، چاہے بیٹھا رہ۔
(سنن ابی داوٗد : ۹۷۰، وسندہٗ صحیح)

تبصرہ :

(ا) یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں، بلکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں۔
حافظ نووی لکھتے ہیں:
اتّفق الحفّاظ علىٰ أنّها مدرجة ليست من كلام النّبي صلّى اللّٰه عليه وسلّم وانّما هي من كلام ابن مسعود .
''حفاظِ (حدیث) کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ زیادت مدرج ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام نہیں بلکہ ابنِ مسعود کی کلام ہے۔'' (خلاصة الاحکام : ۱/ ٤٤۹)
سنن کبریٰ بیہقی (۲/ ۱۷٤) اور دارقطنی (۱/ ۳۵۳) میں باسندِ صحیح ثابت ہے کہ یہ عبداللہ بن مسعود کے الفاظ ہیں، راوی ''قال عبداللہ'' کے الفاظ بیان کر رہا ہے۔
امام دارقطنی اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: **وشبابة ثقة وقد فصّل آخر الحديث جعله من قول ابن مسعود وهو اصحّ من رواية من أدرج آخره في كلام النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم .**

''شبابہ (بن سوار) ثقہ راوی ہے، اس نے حدیث کے آخری حصے کو علیحدہ بیان کیا ہے، اس کو ابنِ مسعود کا قول باور کروایا ہے، جنہوں نے ان الفاظ کو مدرج بیان کیا ہے، ان میں سے صحیح ترین روایت یہی ہے۔''

(ب) اس قول میں جان بوجھ کر ہوا خارج کرنے یا سہواً ہوا کے خارج ہونے کا فرق مذکور نہیں۔

(ج) یہ الفاظ خود ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ مرفوع روایت کے خلاف ہیں، ابومعمر کہتے ہیں:

انّ أميراً كان بمكّة يسلّم تسليمتين ، فقال عبدالله : أنّٰى عَلِقَها ، انّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم كان يفعله .

''امیرِ مکہ نماز میں دو سلام پھیرتا تھا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا، اس نے سنت کہاں سے حاصل کر لی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے۔'' (صحيح مسلم : ١/ ٢١٦، ح : ٥٨١)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے **اذا قلتَ هٰذا أو قضيت هٰذا** کے الفاظ سے رجوع کر لیا تھا، کیونکہ نماز میں دونوں طرف سلام پھیرنا سنتِ رسول قرار دے رہے ہیں۔

(د) یہ الفاظ سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے اپنے فتوی کے بھی خلاف ہیں، آپ فرماتے ہیں:

مفتاح الصّلوٰة الطّهور واحرامها التّكبير وانقضائها التّسليم .

''وضو نماز کی چابی ہے، نماز صرف **اللہ اکبر** سے شروع ہوتی ہے اور صرف سلام پھیرنے سے پوری ہوتی ہے۔'' (السنن الكبرىٰ للبيهقي : ١٦/٢، ١٧٣ـ١٧٤ وصححهٗ ، وسندهٗ صحيح)

ثابت ہوا کہ **اذا قلت هٰذا أو قضيت هٰذا** کے الفاظ سے سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے رجوع فرما لیا تھا۔ والحمد للہ علیٰ ذلک

کھانے کے بعد کی دعا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے کھانا کھایا اور یہ دعا پڑھی، اس کے اگلے اور پچھلے سب (صغیرہ) گناہ بخش دیئے جاتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ هٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ .

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے میری طاقت و قدرت کے بغیر مجھے یہ کھلایا اور یہ روزی عطا کی۔'' (مسند الامام احمد : ٣/ ٣٨٩، سنن ابی داؤد : ٤٠٢٣، سنن ترمذی : ٣٤٥٨، شعب الايمان للبيهقي : ٦٢٨٥)

اس کی سند ''حسن'' ہے۔

سجدۂ سہو کے طریقے　　　غلام مصطفٰے ظہیر امن پوری

سجدۂ سہو (نماز میں بھول چوک کے سجدے) کے تین طریقے ثابت ہیں:

پہلا طریقہ :

نمازی نماز مکمل کرے، پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے، پھر نماز کا سلام پھیر دے۔

۱☆　جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن بحینہ الاسدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر میں (بھول کر) درمیانی تشہد پڑھے بغیر کھڑے ہوگئے، جب نماز پوری کر لی تو:

سجد سجدتين يكبّر في كلّ سجدة وهو جالس قبل أن يّسلّم وسجدهما النّاس معه مكان ما نسي من الجلوس .

''(اس بھولے ہوئے تشہد کے بدلے میں) آپ نے بیٹھے بیٹھے سلام سے پہلے دو سجدے کر لیے، لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔'' (صحیح بخاری : ۱ /١٦٤، ح : ۱۲۳۰، صحیح مسلم : ۱ /۲۱۱، ح : ۵۸۰)

۲☆　سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک پڑ جائے کہ اس نے تین رکعتیں ادا کی ہیں یا چار تو اسے چاہیے کہ شک ختم کرے، یقین پر بنیاد ڈالے　**ثمّ يسجد سجدتين قبل أن يسلّم .** (پھر سلام سے پہلے دو سجدے کر لے)، اگر اس نے (بھول کر) پانچ رکعتیں پڑھ لیں، وہ (ان دو سجدوں کی وجہ سے) اس کی نماز کو جفت کر دیں گی، اگر چار پوری کرنے کے لیے (ایک رکعت) پڑھی ہے، وہ دونوں (سجدے) شیطان کی تذلیل کے لیے ہیں۔
(صحیح مسلم : ۱ /۲۱۱، ح : ۵۷۱)

امام مکحول شامی تابعی اور امامِ اہلِ سنت زہری فرماتے ہیں:

سجدتان قبل أن يسلّم . ''سلام سے پہلے دو سجدے ہیں۔'' (مصنف ابن ابی شیبہ : ۳۰/۲ ، وسندہٗ حسن)

دوسرا طریقہ :

☆ سلام کے بعد دو سجدے کرے، پھر سلام پھیرے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، ابراہیم (راویٔ حدیث) کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے (بھول کر نماز میں) کمی کی یا زیادتی کی، جب آپ نے سلام پھیرا تو عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول! کیا نماز

کے بارے میں کوئی نیا حکم آ گیا ہے، آپ نے فرمایا، وہ کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا، آپ نے ایسے ایسے نماز ادا فرمائی ہے، اس پر آپ نے اپنے پاؤں مبارک کو دوہرا کیا، قبلہ کی طرف رخِ انور فرمایا، **وسجد سجدتین، ثمّ سلّم .** ''اور دو سجدے کیے، پھر سلام پھیرا'' جب ہماری طرف متوجہ ہوئے تو فرمایا، اگر نماز میں کوئی نیا حکم آتا تو میں تمہیں آگاہ کرتا، لیکن میں بشر ہوں، جیسے تم بھول جاتے ہو، اسی طرح میں بھی بھول جاتا ہوں، جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد کروا دیا کرو، جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک پڑ جائے تو درستی کے لیے سوچ بچار کرے اور اسی پر اپنی نماز پوری کر لے، **ثمّ یسلّم ، ثمّ یسجد سجدتین .** ''پھر سلام پھیرے، پھر دو سجدے کرے۔'' (صحیح بخاری: ۱/ ۵۸، ح: ٦٠١)

☆ ☆ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی، تین رکعات کے بعد سلام پھیر دیا، پھر اپنے گھر تشریف لے گئے، خرباق نامی آدمی کھڑا ہوا، جس کے ہاتھ قدرے لمبے تھے، اس نے کہا، اے اللہ کے پیغمبر! اس نے آپ کا یہ فعل مبارک ذکر کیا، آپ غصے میں چادر گھسیٹتے ہوئے آئے اور فرمایا، کیا یہ سچ کہتا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا، جی ہاں! اس پر آپ نے ایک رکعت پڑھی، پھر سلام پھیرا، **ثمّ سجد سجدتین ، ثمّ سلّم .** ''پھر دو سجدے کیے، پھر سلام پھیرا۔''

(صحیح مسلم: ۱/ ۲۱٤، ح: ۵۷٤)

☆ ☆ ☆ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے سجدۂ سہو کے بارے میں فرمایا:

یسلّم ، ثمّ یسجد ، ثمّ یسلّم . ''سلام پھیرے، پھر سجدہ کرے، پھر سلام پھیرے۔''

(شرح معانی الآثار للطحاوی: ۱/٤٤٢، وسندہٗ حسن)

تیسرا طریقہ :

نماز مکمل کرے، سلام کے بعد دو سجدے کرے، پھر تشہد پڑھے، پھر سلام پھیرے، جیسا کہ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

انّ النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم صلّی بھم ، فسھا ، فسجد سجدتین ، ثمّ تشھّد ، ثمّ سلّم .

''نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز پڑھائی، آپ بھول گئے، (سلام پھیرنے کے بعد) دو سجدے کیے، پھر تشہد بیٹھے، پھر سلام پھیرا۔'' (سنن ابی داؤد: ۱۰۳۹، سنن ترمذی: ۳۹۵، وسندہٗ صحیح)

اس حدیث کو امام ترمذی نے ''حسن غریب صحیح''، امام ابنِ خزیمہ (۱۰٦۲) نے ''صحیح'' اور امام ابنِ حبان (۲٦۷۰، ۲٦۷۲)، امام حاکم (۱/ ۳۲۳) نے بخاری و مسلم کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت

کی ہے۔

ثـمّ تشهّـد کے الفاظ محمد بن سیرین کے شاگردوں میں سے صرف اشعث بن عبدالملک الحرانی نے بیان کئے ہیں اور وہ ''ثقہ'' ہے، لہٰذا یہ زیادت محفوظ ہے، باقی رہا ابنِ سیرین کا یہ کہنا کہ لـم أسـمـع فـی التّشهّد وأحــبّ الــیّ أن يتشهّـد . ''میں نے تشہد کے بارے میں (کچھ) نہیں سنا، تشہد بیٹھنا ہی مجھے محبوب ہے۔'' (سنن ابی داؤد : ۱۰۱۰) تو یہ اس روایت کے لیے موجبِ ضعف نہیں، یہ ''نَسِیَ بعد ما حدّث '' کی قبیل سے ہے، لہٰذا امام ابن المنذر ر(الاوسط : ۳ /۳۱۷) ، امام بیہقی(۲ /۳۵۵) ، امام ابن عبدالبر(التمهيد : ۱۰ /۲۰۹) وغیرہ کا ثم تشهد کے الفاظ کو خطاء اور غیر ثابت کہنا صحیح نہیں۔

فـائده نمبر ۱ : حدیث ابنِ مسعود(مسند الامام احمد : ۱ /۴۲۸ـ۴۲۹،سنن ابی داؤد: ۱۰۲۸، السنن الکبریٰ للنسائی : ٦٠٥، السنن الکبریٰ للبیهقی : ۲ /۳۵۵ـ۳۵٦) مرسل ہونے کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے، ابوعبیدہ کا اپنے باپ سے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں، حافظ ابنِ حجر لکھتے ہیں: والـرّاجـح أنّــه لا يصحّ سماعه من أبيه ''راجح یہ ہے کہ اس (ابوعبیدہ) کا اپنے والد سے سماع صحیح ثابت نہیں۔'' (التقریب : ۸۲۳۱)

نیز فرماتے ہیں: فانّه عند الأكثر لم يسمع من أبيه .

''اکثر (محدثین) کے نزدیک ابوعبیدہ کا اپنے باپ سے سماع نہیں۔'' (موافقة الخبر الخبر لابن حجر : ۳٦٤/۱)

امام ابن المنذر رفرماتے ہیں: الخبر غير ثابت . ''یہ روایت ثابت نہیں ہے۔'' (الاوسط : ۳ /۳۱۷)

امام بیہقی فرماتے ہیں: وهذا غير قويّ ومختلف في رفعه ومتنه .(السنن الکبریٰ للبیهقی : ۳۵٦/۲)

فـائده نمبر ۲ : حدیث مغیرۃ بن شعبہ (السنن الکبریٰ للبیهقی : ۲ /۳۵۵) کی سند ''ضعیف'' ہے، اس میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' اور ''سئ الحفظ'' ہے، اس کے بارے میں حافظ ابنِ کثیر فرماتے ہیں: سيّئ الحفظ ، لا يحتجّ به عند أكثرهم .(تحفة الطالب لابن کثیر : ۳۴۵)

حافظ بیہقی لکھتے ہیں: وهـذا يـنـفرد به ابن أبي ليلىٰ هٰذا ، ولا حجّة فيما ينفرد به لسوء حفظه وكثرة خطئه في الرّوايات .(معرفة السنن والآثار للبیهقی : ۲۸۲۳)

امام ابنِ سیرین(سنن ابی داؤد : ۱۰۱۰، وسندہٗ صحیح) ، امام شافعی(الام : ۱ /۱۳۰) ، امام احمد بن حنبل(مسائل احمد لابی داؤد : ۵۳) ، امام ابراہیم نخعی(مصنف ابن ابی شیبہ : ۱ /۳۷، وسندہٗ صحیح) حکم بن عتیبہ اور امام حماد بن ابی سلیمان(مصنف ابن ابی شیبہ : ۳۷/۱، وسندہٗ صحیح) اس طریقہ کو جائز اور درست سمجھتے تھے

دودھ پینے والے بچے کے پیشاب پر چھینٹے کافی ہیں!

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

معزز قارئین! اسلام ایک عالمگیر اور دائمی مذہب ہے، اس میں لوگوں کی ضروریات و حاجات کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے، چونکہ اسلام خالص خالقِ کائنات کی طرف سے نازل شدہ دین ہے اور خالق اپنی مخلوق کے حالات سے اچھی طرح واقف ہے، اس لیے اس نے لوگوں کو ایسا ضابطہ حیات دیا، جس میں زیادہ سے زیادہ سہولت ہو، اسی سلسلے کی ایک کڑی دودھ پیتے بچے کے پیشاب پر صرف چھینٹے مارنے سے طہارت حاصل ہونے کی نبوی رخصت ہے، لیکن بعض الناس نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس رخصت سے مسلمانوں کو محروم کرنے کی ٹھان رکھی ہے، وہ اس بارے میں وارد صحیح وصریح احادیث کا ردّ کرتے ہوئے بچے کے پیشاب کو بھی دھونے کا حکم دیتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس ایک ضعیف حدیث بھی نہیں ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ بچے کے پیشاب کو دھونا ضروری ہے۔

دیگر بہت سے مسائل کی طرح وہ اس مسئلہ میں بھی دلائل سے تہی دست ہو کر صرف احادیثِ صحیحہ کی من مانی تاویلات کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

آیئے اس سلسلے میں حدیثی دلائل اور ان پر احناف کی طرف سے برسائے گئے تاویلی تیروں کی وقعت ملاحظہ فرمائیں:

دلیل نمبر ۱:

عن أبی السّمح قال : کنت خادم النّبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم فجئی بالحسن أو الحسین ، فبال علیٰ صدرہ ، فأرادوا أن یغسلوہ ، فقال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم : رشّه ، فانّه یغسل بول الجاریة ، و یرشّ من بول الغلام .

''سیدنا ابو السمح فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم تھا، ایک دفعہ حسن یا حسین رضی اللہ عنہما آپ کے پاس لائے گئے، انہوں نے آپ کے سینہ مبارک پر پیشاب کر دیا، صحابہ کرام نے چاہا کہ اسے دھو دیں، لیکن آپ نے فرمایا: اس پر چھینٹے مارو، کیونکہ بچی کے پیشاب کو دھویا جاتا ہے اور بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارے جاتے ہیں۔ (سنن ابی داوٗد : ۳۷۶ ، سنن نسائی : ۳۰۵ ، سنن ابن ماجه : ۵۲٦ ، واللفظ لهٗ ، وسندهٗ حسن)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (۲۸۳) اور امام حاکم (۱/ ۱۶۶) رحمہما اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، نیز حافظ ابنِ حجر نے اس کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ (تخریج احادیث المختصر : ۲/۴۰۱-۴۰۲)

امام بخاری فرماتے ہیں: حدیث حسنٌ. ''یہ حدیث حسن ہے۔'' (التلخیص الحبیر لابن حجر : ۱/۳۸)

دلیل نمبر ۲:

وعن لبابة بنت الحارث قالت : كان الحسن بن عليّ رضي اللّٰه عنه في حجر رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم فبال عليه ، فقلت :البس ثوبا وأعطني ازارک حتّٰی أغسله ، قال :انّما يغسل من بول الأنثٰی وينضح من بول الذّكر.

''سیدہ لبابہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں تھے کہ پیشاب کر دیا، میں نے آپ سے عرض کی کہ آپ دوسرا کپڑا پہن لیں اور اپنا تہبند مبارک مجھے دیں تا کہ اسے دھو دوں، آپ نے فرمایا: بلاشبہ بچی کا پیشاب دھویا جائے گا اور بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارے جائیں گے۔ (سنن ابی داؤد : ۳۷۵ ، سنن ابن ماجه : ۵۲۲ ، وسندهٔ حسن ان کان قابوس بن المخارق سمع من ام الفضل لبابة بنت الحارث ، واخرجه احمد : ۶/۳۳۹-۳۴۰ ، وسندهٔ صحيح متصل)

اس حدیث کو بھی امام ابن خزیمہ (۲۸۲) اور امام حاکم (۱/ ۱۶۶) نے ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

دلیل نمبر ۳:

و عن عائشة : انّ النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم كان يؤتٰی بالصّبيان ، فيبرّک عليهم و يحنّكهم، فأتی بصبيّ فبال عليه ، و دعا بماء فاتبعه بوله ولم يغسله .

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچے لائے جاتے، آپ ان کے لئے برکت کی دعا فرماتے اور ان کو گھٹی دیتے، ایک بچہ آپ کے پاس لایا گیا، آپ پر پیشاب کر دیا، آپ نے پانی منگوا کر پیشاب پر ڈالا، لیکن اسے دھویا نہیں۔''

(صحيح البخاری : ۲۲۲ ، صحيح مسلم : ۲۸۶ ، ۱۰۱ ، واللفظ له)

دلیل نمبر ٤:

وعن أمّ قيس بنت محصن : انّها أتت النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم بابن لها لم يبلغ أن يأكل الطّعام فبال في حجر رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم فدعا بماء ، فنضحه علٰی بوله ، ولم يغسله

غسلاً .

''سیدہ ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بیٹے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں، وہ ابھی کھانا کھانے کی عمر کو نہ پہنچا تھا، اس نے آپ کی گود میں پیشاب کر دیا، آپ نے پانی منگوایا، اور پیشاب پر چھینٹے مار دیئے اور اسے بالکل نہیں دھویا۔

(صحیح بخاری : ۲۲۳ ، صحیح مسلم : ۲۸۷ ، ۱۰٤ ، واللفظ له)

فہم محدثین کی روشنی میں

۱☆ امام بخاری کی تبویب یہ ہے:

باب ما جاء فی بول الصّبیان . یعنی بچوں کے پیشاب کا بیان۔

☆ شاہ ولی اللہ دہلوی حنفی لکھتے ہیں:

غرضه أن التّطهیر من بول الصّبیان تحصل باتّباع الماء ونضحه ولا حاجة الی الغَسل .

''اس تبویب سے امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ دودھ پینے والے بچوں کے پیشاب سے طہارت پانی کے چھینٹے مارنے سے حاصل ہو جاتی ہے، دھونے کی ضرورت نہیں۔'' (شرح تراجم ابواب صحیح البخاری از شاہ ولی الله)

۲☆ امام ترمذی (م ۲۷۹) اس حدیث پر یوں تبویب فرماتے ہیں:

باب ما جاء فی نضح بول الغلام قبل أن یطعم .

''کھانا کھانے سے پہلے کی عمر والے بچے کے پیشاب پر پانی چھڑکنے کا بیان۔

اور یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

وهو قول غیر واحد من أهل العلم من أصحاب النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم والتّابعین ومن بعدهم ، مثل أحمد واسحاق ، قالوا : ینضح بول الغلام ، ویغسل بول الجاریة ،وهٰذا مالم یطعما، فاذا طعما غُسِلا جمیعا .

''یہی مذہب بہت سے اہلِ علم صحابہ کرام، تابعینِ عظام اور بعد والوں کا ہے، مثلاً امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ، ان کا کہنا ہے کہ بچے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جائے گا اور بچی کے پیشاب کو دھویا جائے گا۔ یہ فرق اس وقت تک ہوگا جب تک وہ کھانا کھانے نہ لگیں، جب وہ کھانا شروع کر دیں، تو دونوں کے پیشاب کو دھونا ضروری ہوگا۔'' (جامع ترمذی تحت حدیث : ۷۱)

☆۳ امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ کا یہی مذہب ہے۔(جامع ترمذی ، تحت حدیث : ۷۱)

☆۴ امام ابن خزیمہ(۲۲۳ ۔ ۳۱۱) کی تبویب یہ ہے: **باب نضح بول الغلا م ورشّه قبل أن يطعم .**

''کھانا شروع کرنے سے پہلے بچے کے پیشاب پر پانی چھڑکنے اور چھینٹے مارنے کا بیان۔''

(صحیح ابن خزیمہ : ۱/ ۱٤٤)

☆۵ امام ابن حبان(م ۳٥٤) فرماتے ہیں:

ذكر الاباحة للمرء ترک غسل الثّوب الّذى أصابه بول الصّبىّ المرضع الذى لم يطعم بعد.

''جس شیر خوار بچے نے ابھی کھانا نہ کھایا ہو، اس کے پیشاب میں ملوث کپڑے کے نہ دھونے کے جواز کا بیان۔''

نیز فرماتے ہیں: **ذكر الاكتفاء بالرّشّ على الثّياب الّتى أصابها بول الذّكر الّذى لم يطعم بعد .**

''جس بچے نے ابھی تک کھانا نہ کھایا ہو، اس کے پیشاب زدہ کپڑوں پر پانی کے چھینٹے کافی ہونے کا بیان۔'' (صحیح ابن حبان : ٤ /۲۰۸ ، ۲۱۰)

☆٦ امام ابن المنذر (۲٤۲-۳۱۸) فرماتے ہیں:

يجب رشّ بول الغلام بحديث أمّ قيس ، و غسل بول الجاريه .

''ام قیس کی حدیث کی بناء پر بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارنا واجب ہے اور دوسری احادیث سے بچی کے پیشاب کو دھونا ثابت ہوتا ہے۔'' (الاوسط لابن المنذر : ۲ /۱٤٤)

☆۷ اس حدیث کے راوی امامِ اہل سنت زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فمضت السّنّة بأن لا يغسل من بول الصّبىّ حتّى يأكل الطّعام فاذا أكل الطّعام غسل من بوله.

''مسلمانوں میں یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ کھانا کھانے کی عمر سے پہلے بچے کا پیشاب نہ دھویا جائے، جب وہ کھانا کھانے لگ جائے، تو پھر اس کا پیشاب دھویا جائے گا۔'' (صحیح ابن حبان : ٤ /۲۱۱)

احناف کے نزدیک بھی یہ اصول مسلم ہے کہ راوی اپنی روایت کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔

☆۸ امام بیہقی کی تبویب یہ ہے: **ما روى فى الفرق بين بول الصّبىّ والصّبية .**

''بچے اور بچی کے پیشاب میں فرق کرنے والی روایات کا بیان۔'' (سنن الکبریٰ للبیهقی : ۲/ ٤١٤)

☆۹ حافظ نووی(م ٦۳۱ ۔ ٦٧٦) شرح صحیح مسلم (۱ /۱۳۹) میں لکھتے ہیں:

و قداختلف العلماء فی کیفیّة طهارة بول الصّبیّ والجاریة علی ثلاثه مذاهب وهی ثلاثة أوجه ، لأصحابنا الصّحیح المشهور المختار أنّه یکفی النّضح فی بول الصّبیّ ولا یکفی فی بول الجاریة ، بل لا بدّ من غسله کسائر النّجاسات ، والثّانی : أنّه یکفی النضح فیهما ، والثّالث : لا یکفی النّضح فیها ، وهٰذان الوجهان حکاهما صاحب التّتمّة من أصحابنا وغیره وهما شاذّان ضعیفا ن .

''بچے اور بچی کے پیشاب سے طہارت حاصل کرنے کی کیفیت میں علماء تین مختلف مذہب رکھتے ہیں، اور یہ مذاہب تین طریقوں پر مشتمل ہیں، شوافع کے ہاں صحیح، مشہور اور مختار طریقہ یہی ہے کہ بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارنا کافی ہے، البتہ بچی کے پیشاب میں چھینٹے کافی نہیں، بلکہ دوسری نجاستوں کی طرح اسے بھی دھونا ضروری ہے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بچے اور بچی دونوں کے پیشاب پر چھینٹے مارنا کافی ہے، تیسرا طریقہ یہ ہے کہ دونوں کے پیشاب پر چھینٹے کافی نہیں، آخری دونوں طریقے ہمارے علماء میں سے صاحب تتمہ وغیرہ نے نقل کئے ہیں، یہ دونوں شاذ اور ضعیف ہیں۔''

۱۰☆ امام عبدالحق الاشبیلی (۵۱۰ - ۵۸۱) باب قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

باب نضح بول الغلام الرّضیع .

''دودھ پینے والے بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارنے کا بیان۔'' (الاحکام الشرعیة الکبریٰ : ۱ /۳۸۵)

تلک عشرة کاملة ۔ وللہ الحمد !

دلائل احناف

مذکورہ احادیث اور توضیحات محدثین کے خلاف اس بارے میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ بچے اور بچی دونوں کے پیشاب کو دھونا ضروری ہے، البتہ بچے کے پیشاب پر غسل خفیف ہوگا اور بچی کے پیشاب کو پورے مبالغے سے دھویا جائے گا، یہ بھی فقہ حنفی کا ایسا مسئلہ ہے جس پر کوئی ایسی صحیح وصریح حدیث ان کے پاس نہیں، جو بچے اور بچی کے پیشاب کی بابت بچے کے پیشاب کو دھونا واجب قرار دے، محض الفاظ کے ہیر پھیر، بعید قیاسات اور فاسد تاویلات سے کام لیا گیا ہے۔

تنبیہ :

جناب سرفراز خاں صفدر دیوبندی حیاتی لکھتے ہیں:

''امام نووی شرح مسلم (۱ /۱۳۹) میں، حافظ ابن حجر فتح الباری (۱ /۲٦٧) میں اور علامہ عینی عمدۃ القاری (۱ /۷۸۹) میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک فرماتے ہیں کہ لڑکے کے پیشاب پر جب تک اس نے طعام (کھانا) شروع نہ کیا ہو، غسل خفیف ہوگا، لڑکی کا پیشاب پورے مبالغے کے ساتھ دھویا جائے گا۔''

(خزائن السنن از صفدر: ۱/۱۵۰)

مذکورہ حوالہ تو کجا آپ پوری شرح مسلم از نووی پڑھ جائیں، یہ عبارت آپ کو کہیں نہیں ملے گی، جو صفدر صاحب نے حافظ نووی سے منسوب کی ہے، اس کے برعکس ''خفیف'' یا ''مبالغے'' کا فرق کے بغیر حافظ نووی لکھتے ہیں:

وممّن قال بوجوب غسلهما أبو حنيفة ومالك في المشهور عنهما وأهل الكوفة .

''جو لوگ بچے اور بچی دونوں کے پیشاب کو دھونا واجب قرار دیتے ہیں، ان میں مشہور قول کے مطابق امام ابوحنیفہ، اور امام مالک، نیز اہل کوفہ شامل ہیں۔'' (شرح مسلم از نووی: ۱ /۱۳۹)

اسی طرح حافظ ابن حجر کی طرف بھی اس فرق والی عبارت کا انتساب غلط ہے، کیونکہ یہ عبارت قطعاً حافظ صاحب کی نہیں، بلکہ انہوں نے ابنِ دقیق العید سے یہ بات نقل کی ہے، حافظ ابن حجر تو بغیر فرق کے تیسرا مذہب یوں بیان کرتے ہیں:

والثّالث : هما سواء في وجوب الغسل وبه قال الحنفيّة والمالكيّة .

''تیسرا مذہب یہ ہے کہ بچہ اور بچی کے پیشاب دھونے کے وجوب میں برابر ہیں، یہی مذہب احناف اور مالکیوں کا ہے۔'' (فتح الباری: ۱ /۳۲۷)

دیوبندی حضرات کو یاد رہے کہ ابنِ دقیق العید نے صرف یہ قول نقل ہی نہیں کیا، بلکہ اس کا خوب رد بھی کیا ہے، جس کا ذکر ہم آئندہ صفحات میں کریں گے۔

دلیل نمبر ۱:

محمد سرفراز خاں صفدر دیوبندی حیاتی صاحب اپنے دلائل میں لکھتے ہیں:

''بخاری (۱ /۳۵) میں روایت ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام پر ایک لڑکے نے پیشاب کر دیا جس نے کھانا شروع نہیں کیا تھا، **فدعا بماء فأتبعه ايّاه** آپ نے پانی منگوا کر اس پر خوب بہایا۔'' (خزائن السنن: ۱/۱۵۰)

تبصرہ:

دیوبندی صاحب نے حدیث کے الفاظ کا ترجمہ کرنے میں خیانت سے کام لیا ہے۔

(ا) أتبع الماء کا معنی ''خوب پانی بہانا'' کس لغت میں ہے؟ میرے سامنے ''القاموس الوحید'' ہے، جو کہ جناب وحید الزماں قاسمی کیرانوی استاذِ حدیث وادب عربی ومعاون مہتمم دار العلوم دیوبند کی تصنیف و تالیف ہے، اس میں بعینہٖ اسی لفظ أتبعه ایّاہ کا ترجمہ یوں ہے ''پیچھے لگانا، پیچھے چلنا، لاحق کرنا''

اب تقلیدِ ناسدید نے دیوبندی صاحب کو مجبور کیا ہے کہ وہ اپنا مذہب ثابت کرنے کی خاطر غلط بیانی کرتے ہوئے ترجمہ میں ''خوب'' کے الفاظ زیادہ کر دیں۔

(ب) اگر صفدر صاحب بخاری میں ہی اسی حدیث کو دوسرے مقام پر بھی پڑھ لیتے، تو شاید اس سے بچے کے پیشاب کو دھونے کے واجب ہونے پر استدلال نہ کرتے، کیونکہ صحیح بخاری میں (۲/ ۹٤۰) پر اسی حدیث کے الفاظ ہیں: **فدعا بماء فأتبعه الماء ولم يغسله .**

''آپ نے پانی منگوا کر پیشاب کے پیچھے لگایا لیکن اسے دھویا نہیں۔'' (بخاری: ٦٣٥٥)

اب اہلِ دانش خود اندازہ لگائیں کہ دھونے کے بغیر پانی ڈالنے کی کیا صورت ہوگی؟

الأحاديث تفسّر بعضها بعضاً . کے تحت اس سے مراد چھینٹے اور چھڑکاؤ ہی ہو سکتا ہے۔

(ج) محدثین اپنی احادیث کا معنی ومفہوم بعض الناس سے بہتر جانتے ہیں، کیونکہ مثل مشہور ہے۔

صاحب البيت أدرى بما فيه (گھر والا اپنے گھر کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔)

ہم محدثین کی ایک بڑی جماعت سے بچے کے پیشاب پر چھینٹے کافی ہونے کے اقوال وفتاوی جات نقل کر چکے ہیں، اب صرف امام ابن حبان کا فتوی ذکر کرنے پر اکتفا کریں گے، فرماتے ہیں:

ذكر البيان بأنّ قول عائشة :فأتبعه الماء . أرادت به .رشّه عليه .

''اس بات کی وضاحت کا تذکرہ کہ سیدہ عائشہ کے فرمان **فـأتبـعـه الـمـاء** (آپ نے پیشاب پر پانی لاحق کیا) سے ان کی مراد **رشّهٗ عليه** (آپ نے پیشاب پر پانی کے چھینٹے مارے) ہے۔''

(صحيح ابن حبان: ٤/ ٢٠٩)

اب بتائیں کہ بات امام ابن حبان اور دیگر محدثین کی مانی جائے گی یا سرفراز خاں صفدر صاحب کی؟

بس ایک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

دلیل نمبر ۲:

جناب محمد سرفراز خاں صفدر دیوبندی حیاتی صاحب لکھتے ہیں:

''مسلم میں(۱ /۱۳۹) روایت ہے کہ فدعا بماء فصبّهٗ علیه ۔صحیح ابوعوانہ (۱ /۲۰۲) میں روایت ہے کہ آپ پر ایک لڑکے نے پیشاب کر دیا۔ فدعا بماء فصبّه علی البول یتبعه ایّاه ۔طحاوی(۱ /۴۷) میں روایت ہے کہ آپ پر ایک لڑکے نے پیشاب کر دیا تو فرمایا پانی لاؤ فصبّوا علیه الماء صبّا ۔اور اسی صفحے پر یہ روایت بھی ہے کہ آپ پر حضرت حسن یا حسین نے پیشاب کر دیا، آپ نے پانی منگوایا فصبّهٗ علیه ،ان تمام روایات سے ثابت ہوا کہ صرف نضح اور رش پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ خوب پانی ڈالا گیا اور بہایا گیا اور یہی غسل خفیف ہے۔'' (خزائن السنن از صفدر : ۱/۱۵۰)

تبصرہ :

اس تمام عبارت میں موصوف نے لفظِ ''صبّ'' پر زور دے کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ بچے کے پیشاب کو دھویا جائے گا، ورنہ پاک نہ ہوگا، حالانکہ صحیح مسلم اور طحاوی وغیرہ کے جو الفاظ صفدر صاحب نے پیش کئے ہیں، وہ اسی حدیثِ عائشہ کے ہیں، جس میں وہ فرماتی ہیں کہ ولم یغسله (آپ نے اسے دھویا نہیں)، ایک ہی حدیث میں ''صبّ'' اور عدمِ غسل (نہ دھونے) کا مطلب وہی ہے جو ہم امام ابن حبان کی زبانی بیان کر چکے ہیں کہ رشّه علیه(چھینٹے مارے)، محدثین اور سلف صالحین کی یہی تحقیق ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں:

حافظ نووی لکھتے ہیں کہ حدیث عائشہ میں مختلف الفاظ آئے ہیں:

فدعا بماء فأتبعه بوله ولم یغسله وفی الرّوایة الأخری. .فدعابماء فصبّهٗ علیه.(شرح مسلم:۱/۳۹)

ان مختلف الفاظ کو ذکر کرنے کے بعد انہوں نے صحیح اور مختار مذہب یہی بیان کیا ہے کہ بچے کے پیشاب پر چھینٹے کافی ہیں اور اسے ہی جمہور صحابہ، تابعین، محدثین اور سلف صالحین کا مذہب قرار دیا ہے، پتا چلا کہ محدثین ''صبّ'' کو بھی ''رش'' اور ''نضح'' پر محمول کرتے ہیں، نہ کہ غسل پر، کلام عرب میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ الفاظ ایک دوسرے کے معانی میں استعمال ہوتے رہتے ہیں، محدثین کرام احادیث کی لغت کو بھی بخوبی جانتے تھے، خصوصا حافظ نووی کو تو امامِ لغت شمار کیا جاتا ہے، اور وہ اکثر لغوی تشریح کرتے بھی رہتے ہیں، لہٰذا شرح نووی لغت کی کتاب بھی ہے، اب محدثین وسلف صالحین کی بات مانی جائے گی یا مقلدین کی؟

دلیل نمبر ۳:

بخاری کی روایت کے الفاظ لم یغسله(آپ نے بچے کے پیشاب کو دھویا نہیں) مقلدین کے گلے کا

طوق ہیں، اس طوق سے جان چھڑانے کی ناکام کوشش میں سرفراز خاں صفدر دیوبندی حیاتی صاحب لکھتے ہیں:

''مسلم (۱/ ۱۳۹) میں اس روایت کے الفاظ یوں ہیں **ولم یغسله غسلاً** تو نفی تاکید کی ہے، نفسِ غسل کی نہیں۔'' (خزائن السنن از صفدر: ۱/۱۵۷) ، نیز دیکھیں اعلاء السنن از ظفر احمد تھانوی دیوبندی (۱/ ٤٣٢ ـ ٤٣٣)

تبصرہ:

(ا) صفدر صاحب نے بڑی چالاکی سے کام لیتے ہوئے حدیث کے معنی کو اپنے مذہب کے موافق ڈھالنے کی کوشش کی ہے، لیکن بے سود، خود صفدر صاحب نے اقرار کیا ہے کہ **لم یغسله** کی تاکید دوسری حدیث میں آئی ہے اور **ولم یغسله غسلاً** ہو گیا، لہٰذا اگر حصارِ تقلید سے باہر آ کر غور کیا جائے، تو بالکل واضح ہو جائے گا کہ اس جگہ یہ تاکید ''غسل'' (دھونے) کی نہیں، بلکہ عدمِ غسل (نہ دھونے) کی ہے، یعنی **لم** کی نفی **یغسله** پر وارد ہوئی ہے، نہ کہ **غسلاً** پر، کیونکہ خود باقرارِ صفدر صاحب یہ بات گزر چکی ہے کہ پہلے **لم یغسله** (عدمِ غسل) تھا، پھر اس کی تاکید مسلم میں **غسلاً** لائی گئی، جب یہ تاکید عدمِ غسل کی ہے، تو بجائے احناف کو سہارا دینے کے، مزید گلے کا کانٹا بن گئی ہے، اب معنی یہ ہوا کہ آپ نے چھینٹے مارے تھے، دھویا بالکل ہی نہیں تھا۔

(ب) صفدر صاحب نے **لم یغسله غسلاً** میں جو تاکید کی نفی مراد لی ہے، سوائے احناف کی ہٹ دھرمی کے اس پر کوئی دلیل نہیں، جبکہ ہم محدثین کی ایک بہت بڑی جماعت یعنی دس، جو کہ کسی حدیث میں ہو تو اسے تواتر تک پہنچا دیتی ہے، سے اپنے بیان کردہ معنی کی تائید ذکر کر چکے ہیں۔

علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں:

اتّبعوا فی ذالک القیاس وقالوا المراد بقولها . ولم یغسله . ای غسلاً مُبالغاً فیه ، وهو خلاف الظّاهر ویبعده ما ورد فی الأحادیث الآخرین من التّفرقة بین بول الصّبیّ والصّبیّة فانّهم لا یفرّقون بینهما .

''احناف نے اس مسئلہ میں قیاس سے کام لیا ہے اور کہا ہے **ولم یغسله** سے مراد مبالغے سے دھونا ہے، حالانکہ یہ ظاہر کے خلاف ہے اور دوسری روایات میں جو بچے اور بچی کے پیشاب میں چھینٹے مارنے اور دھونے کا فرق آیا ہے، وہ بھی اسے بعید قرار دیتا ہے، کیونکہ احناف ان میں فرق نہیں کرتے۔'' (فتح الباری: ۱/ ۳۲۷)

(ج) جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں:

قـولـه : ولـم يـغسله غسلاً. صريح فى نفى المبالغة فى الغسل ، أى لم يغسله غسلاً شديداً ، فانّ المفعول المطلق يكون للتّاكيد ، وأمّا نفى الغسل مطلقاً فلا .

''آپ کا فرمان ولـم يـغسلـه غسلاً واضح طور پر بتا تا ہے کہ یہاں دھونے میں مبالغے کی نفی ہے، یعنی آپ نے سختی سے اسے نہیں دھویا، کیونکہ مفعولِ مطلق تاکید کے لئے آتا ہے، مطلق طور پر دھونے کی نفی مراد نہیں۔'' (اعلاء السنن از تھانوی: ۱/ ۴۳۲ ـ ۴۳۳)

تبصره :

جناب تھانوی صاحب بتا رہے ہیں کہ مفعول مطلق تاکید کے لئے آتا ہے، تھانوی صاحب کی اس بات سے ہمیں ذرا برابر بھی انکار نہیں، لیکن بعض الناس کو یہ بات بھی مدنظر رکھنا ہوگی کہ مفعولِ مطلق ہمیشہ مصدر ہوتا ہے، جس طرح مصدر فعل معروف سے آتا ہے، بعینہٖ وہی مصدر فعل مجہول سے بھی آتا ہے، اب اگر کوئی شخص مصدر کو ہمیشہ معروف ہی خیال کرتا رہے اور اسے مجہول کہنے سے انکار کردے، تو اس کی جہالت میں شک نہیں کیا جاسکتا، مثلاً ضُـرِبَ زَيْدٌ ضَـرْبًـا ، میں ضَـرْبًـا مصدر مجہول ہے، اس کا معنی ہوگا ''زید مارا گیا مارا جانا'' یہاں مصدر کا معنی ''مارنا'' درست نہیں، کیونکہ یہاں تاکید فعل مجہول (مارے جانے) کی ہے، نہ کہ معروف (مارنا) کی، کیونکہ یہ مصدر فعلِ مجہول کا ہے، اسی طرح فعلِ مثبت اور فعلِ منفی کا معاملہ ہے، اگر مصدر فعلِ مثبت کے بعد آئے تو تاکید فعلِ مثبت کی ہوگی، مثلاً ضَرَبْتُهُ ضَرْباً (میں نے اسے مارا مارنا)، یعنی خوب مارا اور اگر مصدر فعلِ منفی کے بعد آئے تو تاکید نفی کی ہوگی، نہ کہ اثبات فعل کی، جیسے مَـا ضَرَبْتُهُ ضَرْباً ، لہٰذا فعلِ نفی کی تاکید بالکل نہ مارنے سے تعبیر ہوگی، نہ کہ ہلکا مارنے سے، دیوبندیوں کو اپنی عربی گرائمر بھی مضبوط کرنی چاہیے۔

تھانوی صاحب نے بھی کوئی مدلل بات نہیں کی، محدثین اور سلف صالحین نے خلاف معنی کرتے وقت کوئی دلیل تو ہونا چاہیے تھی، اگرچہ کمزور ہی ہوتی۔

دليل نمبر ٤:

جناب محمد سرفراز خاں صفدر دیوبندی حیاتی لکھتے ہیں:

''بخاری (۱/ ۳۵) وغیرہ کی روایت ہے جس میں آتا ہے نـضـح عـلـيــه ...نضح بمعنی غسل ہے، چنانچہ بخاری (۱/ ۳۶) میں روایت ہے کہ حیض کے کپڑے کے بارے میں آپ سے سوال ہوا، قــال : تــحـتّــه ثـمّ

تقرصه بالماء و تنضحه بالماء . اس مقام پر تنضح کے معنی شراح نے غسل ہی کے کئے ہیں۔۔۔''

(خزائن السنن از صفدر : ۱/۱۵۱)

تفصیل کے لئے دیکھیں اعلاء السنن از ظفر احمد تھانوی دیوبندی (۱ /۴۳۲ ۔ ۴۳۵)

تبصرہ :

اولاً: خود ظفر احمد تھانوی صاحب نے حافظ نووی سے نقل کیا کہ ''نضح'' چھینٹے مارنے اور دھونے دونوں معنی میں آتا ہے، تعیّنِ معنیٰ سیاق اور دوسری روایات سے ہوگا، چنانچہ:

پہلے ہم نے سیاق کو دیکھا تو ''نضح'' کے ساتھ **لم یغسله** کا لفظ آیا ہے (دیکھیں بخاری : ۲۲۳) ، لہٰذا دوسرا، یعنی چھینٹے مارنے کا معنیٰ متعین ہوگیا۔

پھر دوسرے نمبر پر دوسری روایات کو دیکھیں تو ''نضح'' کے ساتھ ''رش'' (چھینٹے مارنے) کا لفظ آیا ہے، لہٰذا اس طریقے سے بھی چھینٹے مارنے کا معنیٰ متعین ہوگیا، لفظِ ''صبّ'' پر بحث گزر چکی ہے۔

ثانیاً: محدثین نے ''نضح'' سے ''رش'' (چھینٹے مارنا) ہی مراد لیا ہے، جیسا کہ ان کی تبویب سے عیاں ہے، جسے ہم تفصیلاً بیان کر چکے ہیں، لہٰذا سب تاویلات باطل ہوگئیں ۔**والحمد لله علیٰ ذلك**۔

اب قارئین ہی بتائیں کہ حدیثِ نبوی میں دودھ پیتے بچے کے پیشاب پر چھینٹے کافی ہونے کے الفاظ موجود ہونے کے باوجود اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچے کے پیشاب کو نہ دھونے کے باوجود اور پھر کثیر تعداد میں محدثین کرام کی تصریحات کے باوجود بھی مقلدین کا بغیر دلیل کے اسے دھونا ضروری قرار دینا

حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت؟

☆☆............☆☆............☆☆

عذابِ قبر سے پناہ

ابوسعید

سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ ایک دن نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنونجار کے کھجوروں کے باغ میں داخل ہوئے، آپ نے بنونجار کے لوگوں کی آوازیں سنیں جو کہ جاہلیت میں مرے تھے، ان کو قبروں میں عذاب ہو رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبراتے ہوئے نکلے، اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ عذابِ قبر سے پناہ مانگو۔'' (مسند الامام احمد : ۳ /۲۹۵۔۲۹۶، وسندہٗ صحیح)

سجدہ کی دعائیں

۱☆ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ (تہجد) ادا کی (حدیث ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں):

ثمّ سجد ، فقال : سبحان ربّی الأعلیٰ ، فکان سجوده قریباً من قیامه .

''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور یہ دعا پڑھنا شروع کی سُبْحَانَ رَبِّیَ الْأَعْلٰی (پاک ہے میرا رب اعلیٰ)، آپ کا سجدہ آپ کے قیام کے برابر تھا۔''(صحیح مسلم : ۷۷۲)

۲☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدے میں یہ دعا بکثرت پڑھتے تھے:

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِکَ اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ .

''اے اللہ! تو پاک ہے، اے رب ہمارے! تیری ہی تعریف ہے، اے اللہ! مجھے معاف فرما۔''

(صحیح بخاری : ۷۹٤، صحیح مسلم : ٤٨٤)

۳☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدے میں یہ دعا پڑھتے تھے: **سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰئِکَةِ وَالرُّوْحِ .**

''(اللہ) نہایت پاک، بہت زیادہ بڑائی اور عظمت والا اور عیوب ونقائص سے خوب پاک ومنزہ ہے، جو فرشتوں اور روح (جبریل) کا رب ہے۔''(صحیح مسلم : ٤٨٧)

۴☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک رات میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گم پایا، میں نے خیال کیا کہ آپ اپنی کسی بیوی کے پاس گئے ہوں گے، میں نے تلاش کیا، پھر واپس لوٹ آئی، اچانک کیا دیکھتی ہوں کہ آپ حالتِ رکوع یا سجدہ میں ہیں اور یہ دعا پڑھ رہے ہیں:

سُبْحَانَکَ وَبِحَمْدِکَ ، لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ .

''تو پاک ہے، تیری ہی تعریف وثناء ہے، تیرے سوا کوئی معبود(برحق) نہیں۔'' (صحیح مسلم : ٤٨٥)

٥☆ سیدنا عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (نماز میں) کھڑا تھا، آپ نے سورۂ بقرہ کی تلاوت کی، آپ رحمت والی آیتِ کریمہ سے گزرتے تو رک کر رحمت کا سوال کرتے، عذاب والی آیتِ کریمہ سے گزرتے تو رک کر پناہ طلب کرتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قیام کی مقدار رکوع کیا اور رکوع وسجدہ میں یہ دعا پڑھی:

سُبْحَانَ ذِیْ الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَکُوْتِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْعَظَمَةِ .

''قہر وقدرت، طاقت وعظمت، عظیم الشان سلطنت و بادشاہت، کبریائی اور عظمت والے اللہ پاک کی میں تسبیح بیان کرتا ہوں۔'' (سنن ابی داوٗد : ٨٧٣، سنن نسائی : ١٠٥٠، وسندهٗ صحیح)

حافظ نووی نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔ (خلاصة الاحکام : ١/ ٣٩٦)

٦☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ کُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ وَأَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ وَعَلَانِیَتَهٗ وَسِرَّهٗ .

''اے اللہ! میری ساری کی ساری لغزشوں سے درگزر فرما، چھوٹی ہوں یا بڑی، اول ہوں یا آخر، ظاہر ہوں یا مخفی۔'' (صحیح مسلم : ٤٨٣)

٧☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پایا، تلاش کیا تو میرے ہاتھ آپ کے دونوں پاؤں مبارک کے تلووں پر لگے اور آپ مسجد میں تھے، دونوں پاؤں کھڑے تھے اور آپ یہ دعا پڑھ رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُ بِکَ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ ، وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ ، لَا أُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ ، أَنْتَ کَمَا أَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ .

''اے اللہ! تیری ناراضی سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں، تیرے قہر وعذاب سے تیری پناہ پکڑتا ہوں، میں تیری ثناء کو شمار نہیں کرسکتا، تو اسی طرح ہے، جیسے تو نے اپنی ثناء بیان کی ہے۔'' (صحیح مسلم : ٤٨٦)

٨☆ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں یہ دعا پڑھتے

تھے: اَللّٰھُمَّ لَکَ سَجَدْتُ وَبِکَ آمَنْتُ وَلَکَ أَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَہٗ وَصَوَّرَہٗ وَشَقَّ سَمْعَہٗ وَبَصَرَہٗ تَبَارَکَ اللّٰہُ أَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ .

''اے اللہ! میں نے تیرے لیے ہی سجدہ کیا اور تجھ پر ایمان لایا، تیرا ہی مطیع وفرمانبردار ہوں، میرا چہرہ اس ذات کے لیے سجدہ ریز ہوا، جس نے اسے پیدا کیا، اس کی شکل بنائی اور اس کی آنکھ اور کان کو شق کیا (سننے اور دیکھنے کے قابل بنایا)، بابرکت ہے وہ اللہ جو بہترین تخلیق کرنے والا ہے۔'' (صحیح مسلم: ۷۷۱)

۹ ☆ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز یا سجدے میں یہ دعا مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْراً وَفِیْ سَمْعِیْ نُوْراً وَفِیْ بَصَرِیْ نُوْراً وَعَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْراً وَعَنْ شِمَالِیْ نُوْراً وَاَمَامِیْ نُوْراً وَخَلْفِیْ نُوْراً وَفَوْقِیْ نُوْراً وَتَحْتِیْ نُوْراً وَاجْعَلْ لِّیْ نُوْراً .

''اے اللہ! میرے دل میں نور بھر دے، میرے کانوں میں نور بھر دے اور میری آنکھوں میں نور بھر دے، میرے دائیں، بائیں، آگے، پیچھے، اوپر، نیچے نور بھر دے اور میرے لیے نور بنا دے۔'' (صحیح مسلم: ۷۶۳/ ۱۸۷)

سجدۂ تلاوت کی دعا

سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس نے کہا، اے اللہ کے رسول! میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں، میں نے سجدہ کیا تو اس درخت نے میرے ساتھ سجدہ کیا، میں نے سنا کہ وہ درخت یہ دعا پڑھ رہا تھا:

اَللّٰھُمَّ اکْتُبْ لِیْ بِھَا عِنْدَکَ أَجْراً ، وَضَعْ عَنِّیْ بِھَا وِزْراً ، وَاجْعَلْھَا لِیْ عِنْدَکَ ذُخْراً ، وَتَقَبَّلْھَا مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَھَا مِنْ عَبْدِکَ دَاوٗدَ .

''اے اللہ! اس سجدہ کے بدلے میرے لیے اپنے ہاں اجر وثواب لکھ لے اور اس کے ذریعے مجھ سے (گناہوں کا) بوجھ اتار دے اور اسے میرے لیے اپنے پاس ذخیرہ بنا لے اور میری طرف سے اسے اسی طرح قبول فرما، جس طرح تو نے اپنے بندے داؤد علیہ السلام سے قبول فرمایا تھا۔''

سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ تلاوت کیا اور آپ یہ دعا پڑھ رہے تھے۔ (سنن ترمذی: ۵۷۹، ۳۴۲۴، سنن ابن ماجہ: ۱۰۵۳، وسندہٗ حسن)

اس حدیث کوامام ترمذی نے ''حسن غریب'' اور امام ابنِ خزیمہ (٥٦٢) ، امام ابنِ حبان (٢٧٦٨) ، امام خلیلی (تہذیب التہذیب:٢ /٢٧٦) اور امام حاکم (١ /٢١٩، ٢٢٠) نے ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

اس کا راوی الحسن بن عبداللہ ''حسن الحدیث'' ہے، امام ابنِ حبان، امام خلیلی، امام ابنِ خزیمہ، امام حاکم اور امام ترمذی وغیرہ نے اس کی حدیث کی تصحیح کر کے اس کی توثیق کی ہے۔

فائدہ : ......

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سجدۂ تلاوت میں یہ دعا پڑھتے تھے۔

سَجَدَ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ .

''میرا چہرہ اس ذات کے لیے سجدہ ریز ہوا، جس نے اسے پیدا کیا اور اس نے اپنی قوت و طاقت سے اس کے کانوں اور آنکھوں کو قابلِ سماعت و بصارت بنایا۔''

(سنن ابی داوٗد : ١٤١٤، سنن نسائی : ١١٣٠، سنن ترمذی : ٨٥٠، ٣٤٢٥، مسند الامام احمد : ٦/٣٠، المستدرك للحاکم : ١ /٢٢٠، السنن الکبرٰی للبیهقی : ٢ /٣٢٥، وسندهٗ ضعیف)

اس حدیث کوامام ترمذی نے ''حسن صحیح'' اور امام حاکم نے ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

لیکن اس کی سند ''ضعیف'' ہے، اس سند میں ''رجل'' ''مبہم'' کی زیادتی موجود ہے، یہ بلا ریب و شک ''المزید فی متصل الاسانید'' ہے۔ خالد الحذاء کا ابوالعالیہ سے سماع کی تصریح کرنا تو درکنار، سماع ہی ثابت نہیں، لہٰذا سند ''ضعیف'' ہے۔

اعتذار

السنہ شمارہ نمبر ٣ صفحہ نمبر ٣٦ ، سطر نمبر ٤ پر سیدہ صفیہ کی جگہ حفصہ چھپ گیا ہے۔

اسی طرح صفحہ نمبر ٤٤، سطر نمبر ١٤ پر **عدّة المختلعة حيضة** کا ترجمہ کمپوزنگ کی غلطی سے ''خلع والی کی عدت ایک حیض ہے'' کے بجائے ''حائضہ کی عدت ایک حیض ہے'' چھپ گیا ہے۔

قارئین سے گزارش ہے کہ تصحیح فرمالیں۔ ناشر

☆☆..........☆☆..........☆☆

قارئین کے سوالات　　　غلام مصطفٰی ظہیر امن پوری

① کیا ''نہج البلاغہ'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کتاب ہے؟

جواب: ''نہج البلاغہ'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف جھوٹی منسوب کتاب ہے، جیسا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وهو (علي بن الحسين العلوي الحسيني المتكلّم الرّافضي المعروف الشّريف المرتضىٰ) المتّهم بوضع كتاب نهج البلاغة ، وله مشاركة قويّة في العلوم ، ومن طالع كتابه نهج البلاغة جزم بأنّه مكذوب علىٰ أمير المؤمنين عليّ رضي الله عنه ، ففيه السّبّ الصّراح والحطّ على السّيّدين أبي بكر وعمر رضي الله عنهما ، وفيه من التّناقض والأشياء الرّكيكة والعبارات الّتي من له معرفة بنفس القرشيّين الصّحابة وبنفس غيرهم ممّن بعدهم من المتأخّرين جزم بأنّ الكتاب أكثره باطلٌ .

''یہ (علی بن حسین علوی، حسینی، متکلم، رافضی، المعروف الشریف المرتضٰی) کتاب نہج البلاغہ گھڑنے کے ساتھ متہم ہے، اس کے پاس علوم کی بڑی مہارت تھی، جو اس کی کتاب نہج البلاغہ کا مطالعہ کرتا ہے، یقین کر لیتا ہے کہ یہ علی رضی اللہ عنہ پر جھوٹ ہے، کیونکہ اس میں سیدین، یعنی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر واضح طعن و تشنیع موجود ہے، نیز اس میں تناقض اور ایسی کمزور باتیں ہیں کہ قریشی صحابہ اور دیگر متاخرین کی سیرت سے واقف شخص یقین کر لیتا ہے کہ اس کتاب کا اکثر حصہ من گھڑت اور جھوٹا ہے۔'' (میزان الاعتدال: ۳/ ۱۲۴)

نیز لکھتے ہیں:

وقد اختلف في كتاب نهج البلاغة المكذوب علىٰ عليّ عليه السّلام هل هو وضعه أو وضْعُ أخيه الرّضي .

''اس بات میں اختلاف ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب جھوٹی کتاب نہج البلاغہ اس نے وضع کی تھی یا اس کے بھائی الرضی کی گھڑنت ہے۔'' (تاریخ اسلام: ۹/ ۵۵۸)

✽✽..................✽✽..................✽✽

② کیا روزِ قیامت ماں کے نام سے پکارا جائے گا؟

جواب: روزِ قیامت باپ کے نام سے پکارا جائے گا، جیسا کہ سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انّ الغادر ينصب له لواء يوم القيامة ، فيقال : هذه غدرة فلان بن فلان .

''بے شک دھوکا باز کے لیے روزِ قیامت ایک جھنڈا گاڑا جائے گا اور کہا جائے گا، یہ فلاں بن فلاں کے دھوکے کا نشان ہے۔'' (صحيح بخاری : ۲ /۹۱۲، ح : ۶۱۷۸)

شارحِ بخاری ابنِ بطال کہتے ہیں:

فی هٰذا الحديث ردّ لقول من زعم أنّهم لا يدعون يوم القيامة الّا بأمّهاتهم سترا علىٰ آبائهم.... والدعاء بالآباء أشدّ فی التّعريف و أبلغ فی التّمييز .

''اس حدیث میں اس شخص کا رد ہے، جو گمان کرتا ہے کہ لوگوں کو قیامت کے دن ان کے باپوں پر پردہ پوشی کی غرض سے صرف ان کی ماؤں کے نام سے پکارا جائے گا، باپ کے نام سے پکارنا تعریف و تمیز میں زیادہ مؤثر ہے۔'' (فتح الباری : ۱۰ /۵۶۳)

تنبیہ :

ماں کے نام سے پکارے جانے کے بارے میں دو مندرجہ ذیل جھوٹی حدیثیں وارد ہوئی ہیں:

۱☆ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يدعى النّاس يوم القيامة بأمّهاتهم ستراً من اللّٰه عزّ و جلّ عليهم .

''قیامت کے دن لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پردہ پوشی کیے جانے کی وجہ سے اپنی ماؤں کے ناموں سے پکارے جائیں گے۔'' (الكامل لابن عدی : ۱ /۳۴۳)

تبصرہ :

اس کی سند موضوع (من گھڑت) ہے، حافظ ابن الجوزی نے اس کو ''الموضوعات (۱۷۹۸) میں ذکر کیا ہے، امام ابن عدی فرماتے ہیں:

هٰذا الحديث منكر المتن بهذا الاسناد ، و اسحاق بن ابراهيم الطّبری منكر الحديث .

''یہ حدیث اس سند کے ساتھ منکر متن والی ہے، اسحاق بن ابراہیم الطبری منکر الحدیث راوی ہے۔''

اسحاق بن ابراہیم الطبری کو امام ابنِ حبان (المجروحین: ۱/ ۱۳۷) نے ''منکر الحدیث جدا'' اور امام دارقطنی (الضعفاء: ۹۸) نے ''منکر الحدیث'' کہا ہے۔

امام حاکم کہتے ہیں: رویٰ أحادیث موضوعۃً ''اس نے موضوع (من گھڑت) احادیث روایت کی ہیں۔'' (المدخل: ۱۱۹)

اس میں حمید الطّویل ''مدلس'' بھی ہے، جو ''عن'' سے روایت بیان کر رہا ہے۔

۲ ☆ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انّ اللّٰہ تعالیٰ یدعو النّاس یوم القیامۃ بأسمائھم (بأمّھاتھم .اللّآلی المصنوعۃ للسّیوطی : ۲/ ۴۴۹) ستراً منہ علیٰ عبادہ .

''اللہ تعالیٰ قیامت کے روز لوگوں کو اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کی پردہ پوشی کی وجہ سے ان کی ماؤں کے ناموں سے پکارا جائے گا۔'' (المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۱۲۴۲)

تبصرہ :

اس کی سند موضوع (من گھڑت) ہے، اس میں اسحاق بن بشر ابو حذیفہ متروک اور وضّاع (جھوٹی حدیثیں گھڑنے والا) موجود ہے۔

حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: **وفیہ اسحاق بن بشر أبوحذیفۃ متروکٌ .**

''اس میں اسحاق بن بشر ابو حذیفہ متروک راوی ہے۔'' (مجمع الزوائد: ۱۰/ ۳۵۹)

اس میں ابنِ جریج کی ''تدلیس'' بھی ہے۔

حافظ ابنِ حجر فرماتے ہیں: **وسندہٗ ضعیفٌ جدّاً** ''اس کی سند سخت ترین ضعیف ہے۔'' (فتح الباری: ۱۰/ ۵۶۳)

حافظ ابنِ قیّم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

الحدیث باطل ، والأحادیث الصّحیحۃ بخلافہ ، قال البخاریّ فی صحیحہ : باب ما یدعی النّاس یوم القیامۃ بآبائھم ، ثمّ ذکر حدیث : ینصب لکلّ غادر لواء یوم القیامۃ بقدر غدرتہ ، فیقال : ھذہ غدرۃ فلان بن فلان .وفی الباب أحادیث أخریٰ غیر ذلک .

''یہ حدیث باطل ہے، نیز صحیح احادیث اس کے خلاف ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح (بخاری: ۲/ ۹۱۲، ح: ۶۱۷۸) میں باب قائم کیا ہے کہ لوگوں کو قیامت کے دن ان کے باپ کے نام سے پکارا جائے گا،

پھر یہ حدیث پیش کی ہے کہ قیامت کے دن خائن کے لیے ایک جھنڈا گاڑ دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں کے بیٹے فلاں کی خیانت ہے۔ اس بارے میں اور بھی کئی احادیث موجود ہیں۔'' (المنار المنیف لابن القیم : ۱۳۹)

فائدہ : ......

سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انّکم تدعون یوم القیامۃ بأسمائکم و أسماء آبائکم ، فأحسنوا أسمائکم .

''تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے باپوں کے ناموں سے پکارے جاؤ گے، لہٰذا اپنے نام اچھے رکھا کرو۔''

(مسند الامام احمد : ۵ /۱۹۴، سنن ابی داوٗد : ۴۹۴۸)

تبصرہ :

اس کی سند ''انقطاع'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے، امام ابوداؤد خود فرماتے ہیں:

ابن أبی زکریّا لم یدرک أبا الدّرداء ''ابن ابی زکریا نے ابوالدرداء کا زمانہ نہیں پایا۔''

امام ابوحاتم لکھتے ہیں: **عبداللّٰہ بن أبی زکریّا لم یسمع أباالدّرداء .** ''عبداللہ بن ابی زکریا نے سیدنا ابوالدرداء سے سماع نہیں کیا۔'' (المراسیل : ۱۱۳)

حافظ بیہقی کہتے ہیں: **ھٰذا مرسل ، ابن أبی زکریّا لم یسمع من أبی الدّرداء .**

''یہ مرسل (منقطع) حدیث ہے، ابنِ ابی زکریا نے ابوالدرداء سے نہیں سنا۔'' (السنن الکبریٰ للبیهقی:۹/۳۰۶)

لہٰذا امام ابنِ حبان (۵۸۱۸) کا اس حدیث کو ''صحیح''، حافظ نووی (الاذکار : ص ۲۵۵) کا اس کی سند کو ''جید'' اور حافظ ابنِ قیّم (تحفۃ المودود : ص ۸۱) کا اس کی سند کو ''حسن'' کہنا صحیح نہیں ہے۔

③ کیا حاملہ کو حیض آ سکتا ہے؟

حاملہ عورت حائضہ نہیں ہو سکتی، جیسا کہ:

۱☆ حدیث ہے، کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی، تو عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، تو آپ نے فرمایا:

مُرْہُ فلیراجعھا، ثمّ لیطلّقھا طاھراً أو حاملاً .

''اسے حکم دو کہ وہ اس سے رجوع کرے، پھر طہر یا حمل کی حالت میں طلاق دے۔''

(صحیح بخاری: ۵۲۵۱، صحیح مسلم: ۱۴۷۱، واللفظ لہٗ)

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ حاملہ عورت کو حیض نہیں آ سکتا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل کو طہر کے قائم مقام کیا ہے، اگر حمل میں بھی حیض آ سکتا، تو حیض میں طلاق کو منع قرار دے کر حمل میں طلاق دینے کے حکم کا کیا معنیٰ ؟

۲☆ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

إذا رأت الحامل الصّفرة توضّأت وصلّت، وإذا رأت الدّم اغتسلت وصلّت، ولا تدع الصّلاة علیٰ کلّ حال .

''جب حاملہ زرد رنگ کا پانی دیکھے، تو وضو کر کے نماز پڑھے، اور جب خون دیکھے، تو غسل کر کے نماز پڑھے، کسی بھی صورت میں نماز نہیں چھوڑ سکتی۔''

(مصنف عبدالرزاق: ۳۱۷/۱، الأوسط لابن المنذر: ۲۲۹/۲، وسندہٗ حسن)

تنبیہ!......

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے مخالف ایک ضعیف روایت بھی آتی ہے:

قال ابن المنذر: حدّثنا محمّد بن عبداللّٰہ بن عبدالحکم ثنا ابن وھب أخبرنی ابن لھیعۃ واللّیث بن سعد عن بکیر بن عبداللّٰہ عن أم علقمۃ عن عائشۃ زوج النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم أنّھا سئلت عن الحامل تری الدّم أتصلّی؟ قالت: لا تصلیّ حتّٰی یذھب الدّم.

''آپ سے سوال کیا گیا کہ اگر حاملہ کو خون آئے تو نماز پڑھے گی؟ آپ نے فرمایا: خون ختم ہونے تک نماز نہیں پڑھے گی'' (الأوسط لابن المنذر: ۲۳۹/۲، ۲٤۰)

یہ روایت بلحاظ سند ''ضعیف'' ہے، عبداللہ بن وہب المصری نے ''تدلیس عطف'' کی ہے، چنانچہ اپنے پہلے شیخ ''ابن لہیعہ (جو کہ ضعیف مدلّس ہیں) سے سماع کی تصریح کی ہے، جبکہ دوسرے شیخ لیث بن سعد کو عطف کے ذریعے ان سے ملا دیا ہے۔

محدثین کے ہاں ایسی صورت میں مدلس راوی کا دوسرے شیخ سے سماع ثابت نہیں ہوتا، چنانچہ جن سے سماع کی صراحت ہے، وہ خود ضعیف و مدلس ہیں اور ''عن'' سے بیان کر رہے ہیں، جبکہ لیث بن سعد ''ثقہ'' ہیں، لیکن ان سے سماع کی صراحت نہیں، لہٰذا یہاں تدلیس عطف مؤثر ہے۔

فائدہ:......

اس روایت کی راویہ اُمّ علقمہ ''صدوقہ'' اور حسنۃ الحدیث'' ہے، اس کو امام عجلی (۵۲۵) ، امام ابن حبان، امام

حاکم(۱/۴۸۸) وغیرہ نے ''ثقہ'' قرار دیا ہے۔

۳☆ امام شعبہ بیان کرتے ہیں کہ امام حکم بن عتیبہ نے حاملہ کو آنے والے خون کے بارے میں فرمایا:

لیس بشیئٍ . ''یہ کچھ بھی نہیں۔'' اور حماد بن ابی سلیمان فرماتے ہیں:

ھی بمنزلة المستحاضة . ''ایسی عورت مستحاضہ کے حکم میں ہے۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۲۱۲،وسندہٗ صحیح)

۴☆ **امام جابر بن زید** (مصنف ابن ابی شیبہ:۲ /۲۱۲، وسندہٗ حسن) ،**سلیمان بن یسار** (مصنف ابن ابی شیبہ:۲ /۲۱۲،مصنف عبدالرزاق: ۱/۳۱۷، وسندہٗ صحیح) ،**عطاء بن ابی رباح** (مصنف عبدالرزاق: ۱/۳۱٦ ، وسندہٗ صحیح) ،**سعید بن مسیّب** (مصنف عبدالرزاق:۱/۳۱٦، وسندہٗ صحیح) ،**امام احمد بن حنبل** (مسائل احمد لأبی داؤد: ۲۵) ،**ابن المنذر** (الأوسط: ۲/۲٤۱) **اور امام ابوعبید وغیرہ کا یہی مذہب ہے۔**

تنبیہ!......

امام زہری (مؤطاامام مالك، وسندہٗ صحیح) ،**مجاہد** (دارمی: ۹٦۲،وسندہٗ صحیح) ،**عکرمہ** (دارمی: ۹٦۳، وسندہٗ صحیح) ،**بکر بن عبداللہ المزنی** (دارمی: ۹٦۷، وسندہٗ صحیح) ،**قتادہ** (مصنف عبدالرزاق: ۱/۳۱٦، وسندہٗ صحیح) **کا مذہب ہے کہ حاملہ کو حیض آ سکتا ہے، واضح رہے کہ یہ بے دلیل مذہب ہے۔**

الحاصل:......

حاملہ عورت کو حیض نہیں آ سکتا، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے طلاق کی بحث میں غیر حاملہ کی عدّت تین حیض بیان کی ہے، جبکہ حاملہ کی وضع حمل، اگر حاملہ کو بھی حیض آ سکتا ہوتا، تو اس کی عدّت بھی تین حیض مقرر کر دی جاتی۔

نکاحِ حلالہ زنا ہے!　　غلام مصطفٰی ظہیر امن پوری

اسلام دینِ فطرت اور مکمل نظامِ زندگی ہے، اس نے جہاں باقی شعبہ جات میں انسان کی مکمل رہنمائی کی، وہاں شعبۂ معاشرت میں بھی تحفظِ عفت و عصمت کے لیے قانونِ نکاح کی پذیرائی کی، اس شعارِ اسلام نے انسانیت کو درندگی کی دلدل سے نکال کر بندگی کی شاہراہ پر گامزن کر دیا، لیکن افسوس کہ بعض دشمنانِ دین و عقل نے حلالے جیسی لعنت کے ذریعے محافظانِ عزت کو پھر راہزن کر دیا، حلالہ ایک بدترین بے حیائی ہے، اس پر دلیل ہماری یہ خامہ فرسائی ہے:

دلیل نمبر ۱:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں:

لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم المحلّ والمحلّل لهٗ .

''رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا، دونوں مردوں پر لعنت فرمائی ہے۔''

(مسند الامام احمد : ۲ /۳۲۳، البزار (کشف الاستار : ۱۴۴۲)، مسند اسحاق ومسند ابی یعلیٰ (نصب الرایة : ۲۴۰/۳)، السنن الکبرٰی للبیہقی : ۷ /۲۰۸، المتفق للخطیب : ۱۷۰۵)

یہ حدیث ''حسن'' ہے، امام ابن الجارود (۶۸۴) نے اس کو ''صحیح'' اور امامِ بخاری نے ''حسن'' کہا ہے۔

(التلخیص الحبیر : ۱۷۰/۳، العلل للترمذی : ۱ /۴۳۷)

امام زیلعی حنفی لکھتے ہیں: **الحدیث الصحیح .** ''یہ حدیث صحیح ہے۔'' (نصب الرایة : ۲۴۰/۳)

حافظ ابنِ حجر فرماتے ہیں: **رواته موثقون .** ''اس حدیث کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔''

(الدرایة : ۲ /۷۳)

دلیل نمبر ۲:

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم : ألا أخبرکم بالتّیس المستعار ؟ قالوا : بلیٰ یا رسول اللّٰہ ! قال : هو المحلّل ، لعن اللّٰہ المحلّل والمحلّل لهٗ .

''رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تمہیں کرائے کے سانڈھ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ صحابہ

نے عرض کی، کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! فرمایا، وہ حلالہ کرنے والا مرد ہے، اللہ تعالیٰ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے کیا گیا، دونوں مردوں پر لعنت فرمائی ہے۔''

(سنن ابن ماجه : ۱۹۳٦، السنن الكبرٰى للبيهقي : ۷ /۲۰۸، المستدرك للحاكم : ۲ /۱۹۸۔۱۹۹)

اس حدیث کی سند ''حسن'' ہے، امام حاکم نے اس کو ''صحیح الاسناد'' اور حافظ ذہبی نے ''صحیح'' کہا ہے۔

دلیل نمبر ۳:

نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: **جاء رجل الى ابن عمر رضى اللّٰه عنها فسأله عن رجل طلّق امرأته ثلاثاً ، فتزوّجها أخ له من غير مؤامرة منه ، ليحلّها لأخيه ، هو تحلّ للأوّل ؟ قال : لا ، الّا نكاح رغبة ، كنّا نعدّ هٰذا سفاحا علىٰ عهد رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم .**

''ایک آدمی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا کہ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیتا ہے، پھر اس سے مشورہ کیے بغیر اس کا بھائی حلالے کی نیت سے اس عورت سے نکاح کرتا ہے، کیا اس صورت میں وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی؟ آپ نے فرمایا، نہیں، (دوسرے) صرف (دائمی) آبادی کی نیت سے نکاح کرنا (صحیح ہے)، ہم اس (حلالہ) کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں بدکاری شمار کرتے تھے۔''

(المستدرك للحاكم : ۲ /۱۹۹، ح : ۲۸۰٦، السنن الكبرٰى للبيهقي : ۷ /۲۰۸)

اس کی سند ''صحیح متصل'' ہے، امام حاکم نے اس کو بخاری و مسلم کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے اور حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، حافظ ہیثمی کہتے ہیں: **ورجاله رجال الصحيح** .(مجمع الزوائد : ٤ /٢٦٧)

اللہ اور اس کے رسول تو حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا، دونوں کو ملعون قرار دیں، لیکن ایک حنفی نے اللہ کی گرفت سے بے خوف و خطر ہو کر یہاں تک کہہ دیا: **لعل اراد اللعنة بالرحمة .**

''ہو سکتا ہے کہ یہاں لعنت سے مراد رحمت ہو۔'' (مستخلص الحقائق شرح كنز الدقائق : ١٢٦، طبع دهلی)

حلالہ محدثین عظام کی نظر میں

☆ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نکاحِ حلالہ کو غیر شرعی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اذا تزوّج الرّجل المرأة ليحلّلها ، ثمّ بدا له أن يمسكها ، فلا يحلّ له أن يمسكها ، حتّٰى يتزوّجها بنكاح جديد .

''اگر کوئی مرد کسی عورت سے حلالے کی نیت سے نکاح کرے، پھر اسے (مستقل طور پر) اپنے پاس رکھنے کا ارادہ کرلے تو نیا نکاح کیے بغیر اس عورت کو اپنے پاس رکھنا حرام ہے۔'' (جامع ترمذی ، تحت حدیث : ۱۱۲۰)

☆ جارود بن معاذ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ امام وکیع بن جراح رحمہ اللہ نے حلالے کو ملعون فعل قرار دیتے ہوئے فرمایا: ینبغی أن یرمیٰ بھذا الباب من قول أصحاب الرأی .

''اس بارے میں اصحاب الرائے (احناف) کی بات (نکاحِ حلالہ کے جواز) کو (کوڑے کی ٹوکری میں) پھینک دینا چاہیے۔'' (جامع ترمذی ، تحت حدیث : ۱۱۲۰، وسندہٗ صحیح)

☆ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وبه یقول سفیان الثّوری وابن المبارک والشّافعی وأحمد واسحاق ....

''امام سفیان ثوری، امام عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا بھی یہی فتوی ہے (کہ حلالہ ملعون فعل ہے)۔'' (جامع ترمذی : ، تحت حدیث : ۱۱۲۰)

حلالہ بعد والے مسلمانوں کی نظر میں

حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نکاح المحلّل شرّ من نکاح المتعة ، فانّ نکاح المحلّل لم یبح قطّ ، فھو یثبت العقد لیزیله ، وھذا لا یکون مشروعا بحال .

''حلالہ کرنے والے کا (عارضی) نکاح متعہ سے بھی بدتر ہے، کیونکہ نکاحِ حلالہ (اسلام کے) کسی دور میں بھی جائز نہیں ہوا، حلالہ کرنے والا عقدِ نکاح اس لیے باندھتا ہے کہ (بعد میں) اسے ختم کردے گا اور یہ عارضی نکاح کسی صورت میں بھی درست نہیں۔'' (مجموع الفتاوٰی : ۳۲/ ۱۰۸)

حافظ ابنِ قیّم نکاحِ حلالہ کو جائز قرار دینے والوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وأمّا فی ھذہ الأزمان الّتی قد شکت الفروج فیھا الی ربّھا من مفسدة التّحلیل ، وقبح ما یرتکبه المحلّلون ممّا ھو رمد بل عمی فی عین الدّین وشجی فی حلوق المؤمنین ، من قبائح تشمت أعداء الدّین به ، وتمنع کثیرا ممن یرید الدّخول بسببه ، بحیث لا یحیط بتفاصیلھا خطاب ، ولا یحصرھا کتاب ، یراھا المؤمنون کلّھم من أقبح القبائح ، ویعدّونھا من أعظم الفضائح ، قد قلّبت من الدّین رسمه ، وغیّرت منه اسمه ، وضمّخ التّیس المستعار فیھا المطلّقة بنجاسة التّحلیل ، وقد زعم أنه قد طیّبھا للحلیل ، فیا للّٰه العجب ! أیّ طیب أعارھا ھٰذا التّیس

الملعون ؟ وأيّ مصلحة حصلت لها ولمطلّقها بهٰذا الفعل الدّون .

''موجودہ دور میں عزتیں حلالے کی قباحتوں اور حلالہ کرنے والوں کی فضاحتوں پر اپنے رب کے دربار میں شکایت کناں ہیں، یہ فعلِ شنیع دینِ اسلام کی آنکھ کا تنکا اور مومنوں کے گلے کا کانٹا بن چکا ہے، ایسی کاروائیاں دشمنانِ اسلام کو ہنساتی اور اس کے قریب آنے والوں کو دور لے جاتی ہیں، نہ کوئی تقریر ان مفاسد کو الفاظ میں سمیٹ سکتی ہے اور نہ کوئی تحریر ان خرابیوں کو اوراق میں لپیٹ سکتی ہے، تمام مومن اس حلالے کو چوٹی کی قباحت اور انتہاء کی فضاحت سمجھتے ہیں، اس نے دین کا نام تبدیل اور اس کا ڈھانچا تحلیل کر دیا ہے، کرائے کا یہ سانڈ پاک عورت کو اس حرامے کی نجاست میں لت پت کر کے سمجھتا ہے کہ میں نے اسے خاوند کے لیے حلال کر دیا ہے، وائے تعجب! اس گھٹیا کرتوت سے مطلقہ عورت اور اس کے خاوند کے لیے اس کمینے نے کونسا کمال کر دیا ہے؟'' (اعلام الموقعین : ۵۲/۳۔۵۳)

نیز لکھتے ہیں: ثمّ سل من له أدنى اطّلاع علىٰ أحوال النّاس : كم من حرّة مصونة انشبّ فيها المحلّل مخالب ارادته فصارت بعد الطّلاق من الأخدان وكان بعلها منفردا فاذا هو والمحلّل ببركة التّحليل شريكان ؟ فلعمر اللّٰه ! كم أخرج التّحليل مخدرة من سترها الى البغاء ، وألقاها بين براثن العشراء والحرفاء .

''ان لوگوں سے پوچھ کر تو دیکھو، جنہوں نے حالاتِ حاضرہ کی طرف تھوڑا سا بھی دھیان کیا کہ کتنی عفت مآب دوشیزاؤں کو ان سانڈھوں نے اپنے ناپاک عزائم کے پنجے گاڑ کر لہولہان کیا، چنانچہ طلاقِ حلالہ کے بعد بھی دونوں نے باہم شناسائی رکھی اور اس حرامے کی برکت سے اصل خاوند کے ساتھ ساتھ اس سانڈھ نے بھی عورت تک رسائی رکھی، بخدا اس قبیح فعل کی وجہ سے کتنی ہی پردہ نشین عورتیں بغاوت پر آمادہ ہیں اور ان لوگوں کے چنگل میں پھنس چکی ہیں جو فحاشی و عریانی کے دلدادہ ہیں۔'' (اعلام الموقعین : ۵٤/۳۔۵۵)

جناب شاہ ولی اللہ دہلوی حنفی لکھتے ہیں: وأيضا فيه وقاحة واهمال غيرة وتسويغ ازدحام على الموطوئة من غير أن يدخل في تضاعيف المعاونة ، نهى عنه .

''اس (حلالے) میں بے غیرتی و بے حیائی موجود ہے، (اس طرح کہ اس سے) 'ایک عورت کئی خاوند' کے نظریے کی حمایت ہوتی ہے، حالانکہ یہ نیکی کے کام میں تعاون کے زمرے میں بھی نہیں آتا، لہٰذا اس سے منع کر دیا گیا۔'' (حجة الله البالغة : ۱۳۹/۲)

عدل ہوتو ایسا!   حافظ ابو یحییٰ نور پوری

موسیٰ اور اس کے ساتھی بکریاں چروا رہے تھے، بکریاں تو لوگ آج بھی چرواتے ہیں، لیکن ان کے چروانے کی ایک خاص بات یہ تھی کہ بکریاں اور بھیڑیئے اکٹھے چر رہے تھے، پھر کوئی بھیڑیا کسی بکری پر حملہ نہیں کر رہا تھا، حالانکہ بھیڑیے تو بکریوں کو دیکھتے ہی پھاڑ کھاتے ہیں، لیکن اب حالات بدلنے والے تھے، ایک رات اچانک ایک بھیڑیئے نے ایک بکری پر حملہ کر دیا، وہ سب حیران تھے کہ یہ کیا ہو گیا، یہ بات تو ان کی سوچ سے بھی باہر تھی، البتہ موسیٰ بن اعین کا روشن دماغ فوراً بات کی تہہ تک پہنچ گیا، وہ کہنے لگا، جس کے عدل و انصاف کی برکت سے انسان ہی نہیں بھیڑیئے بھی مہذب بن گئے تھے، محسوس ہوتا ہے کہ وہ مردِ عادل آج اس دنیا میں نہیں رہا، تحقیق کرنے پر پتا چلا کہ واقعی وہ انصاف کا پیکر دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔

(حلية الاولياء لابی نعيم الاصبهانی : ۲۵۵/۵، وسندهٔ حسن)

کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ شخصیت کون تھی؟ چلیں آپ کو بتا دیتے ہیں، یہ وہ ہستی ہے جسے لوگ ''فاروقِ ثانی'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں، آپ کا نام عمر تھا، سلسلۂ نسب یوں تھا:

عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم بن ابی العاص بن امیہ القرشی۔

یوں لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تخلیق ہی اسی اعلیٰ مقصد کے لیے کی تھی، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے بعد دنیا میں عدل وانصاف کی ایک انوکھی مثال قائم کی۔

ایسا کیوں نہ ہوتا؟ جن اسلاف کے آپ جانشین تھے، انہوں نے بعد والوں کے لیے سبق ہی یہی چھوڑا تھا، چنانچہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت ہی دیکھ لیں، آپ کی زندگی عدل وانصاف کا مرقع نظر آتی ہے، جس احسن انداز سے آپ نے حکمرانی کی ذمہ داری نبھائی، وہ محتاجِ بیان نہیں، اپنے بیگانے سب اس کے معترف ہیں، ہم صرف ان کے وقتِ رخصت کا ایک واقعہ بیان کئے دیتے ہیں:

''عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ جب آپ رضی اللہ عنہ کو وار کر زخمی کیا گیا اور دنیا میں آپ کا آخری دن تھا، آپ نے اپنے بیٹے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بلا کر فرمایا، دیکھو مجھ پر کتنا قرض ہے؟ حساب کیا گیا تو تقریباً ۸۶ ہزار تھا، فرمایا، میرے خاندان والوں کے پاس اتنا مال ہو تو درست ورنہ قریبی رشتہ داروں سے مانگ کر پورا کرو اور بیت المال میں جمع کروا دو۔

ذرا غور کیجیے کہ اتنی انصاف پسندی کے باوجود بھی جب آپ کو کہنے والے نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ خوش بخت ہیں، پہلے آپ کو صحابیت کا شرف حاصل ہوا، پھر اسلام میں مرتبہ ومقام ملا، پھر خلافت ملی تو آپ نے عدل وانصاف کی روایت قائم کی، پھر اب آپ کو شہادت ملنے والی ہے، آپ نے فرمایا، تم اس سب کچھ کو بہت عظیم عمل سمجھتے ہو، میں تو چاہتا ہوں کہ یہ سب کچھ میری نجات کے لیے 'گزارا' بن جائے، ڈر ہے کہ کہیں میرے لیے وبال نہ جائے!'' (صحیح بخاری: ۳۷۰۰)

یہ تو تھے ہمارے اسلاف! لیکن اگر آج کے حکمرانوں کی بداعتدالیوں اور عیش وعشرت پر نظر دوڑائی جائے تو حیرانی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، آج کے حکمران حکومت کو ایک نہایت نفع بخش کاروبار سمجھ کر لوٹ کھسوٹ کی ساری حدیں عبور کر جاتے ہیں، ہر حکمران اپنے دورِ حکومت میں قوم کا مال دونوں ہاتھوں سے لوٹتا اور دنیا کے امیر ترین اشخاص کی لسٹ میں شامل ہو کر واپس جاتا دکھائی دیتا ہے۔

اُدھر ہمارے اسلاف کی اتنی سادگی اور انصاف پسندی کی برکت سے پوری دنیائے انسانیت نہیں، بلکہ دنیائے حیوانیت بھی ان سے لرزتی تھی اور اِدھر ہمارے آج کے حکمرانوں کی عیش پرستیوں اور بدعنوانیوں کی نحوست سے مسلمان غیروں کے غلام بن چکے ہیں۔

یہ سب کچھ دیکھ کر شاعر کا یہ شعر یاد آجاتا ہے:

؎ وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

ہے آج بھی کوئی حکمران جو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے عدل وانصاف کو اپنا وطیرہ بنا کر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مصداق بن جائے اور دین و دنیا کی کامیابی وکامرانی کو اپنا مقدر بنا لے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سبعة يظلّهم اللّٰه فى ظلّه يوم لا ظلّ الّا ظلّه : الامام العادل ....

''سات اشخاص کو اللہ تعالیٰ (روزِ قیامت) اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ دے گا، جس دن اس کے (عرش کے) سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، ان میں سے ایک عدل وانصاف کرنے والا حکمران ہوگا۔۔۔''

(صحیح بخاری: ٦٨٠٦، صحیح مسلم: ١٠٣١)

تفسیر البغوی (م ۵۱۰ھ)

مفسر کا نام:- الحافظ الامام محی السنۃ ابو محمد الحسین بن مسعود ''الفرّ اء، البغوی'' سے معروف ہیں۔

تفسیر کا نام:- معالم التنزیل

تفسیر ھذا کی عمومی خصوصیات:-

آیت کی تفسیر آسان اور مختصر الفاظ میں کرتے ہیں، دراصل یہ تفسیرِ ثعالبی کا اختصار ہے، البتہ بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ: ''انہوں نے اپنی تفسیر کو بدعتی لوگوں کے اقوال اور احادیثِ موضوعہ سے پاک رکھا ہے۔'' (مقدمة فی اصول التفسیر ص۷٦)

آپ تفسیر میں سلف کا اختلاف تو ذکر کرتے ہیں، لیکن کسی روایت کو ترجیح نہیں دیتے۔

عقیدہ:- آپ سلفی عقیدے کے حامل ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے وہ تمام اسماء وصفات ثابت کرتے ہیں، جو اس نے اپنے لیے ثابت کی ہیں، یہ بات ان کی شاندار کتاب ''شرح السّنۃ'' کے مقدمہ سے بھی واضح ہوتی ہے، ان کی تفسیر میں بھی عموماً ان صفات کا اثبات ہے، البتہ ان سے بعض صفات میں تاویل ہوئی ہے، صفتِ رحمت کو ارادۂ خیر (دیکھیں انکی تفسیر:۱/۱۸) ،صفتِ حیاء کو ترک ومنع (المعالم:۱/۴۳) اور صفتِ غضب کو ارادۂ انتقام (المعالم:۱/۲۳) سے تعبیر کیا ہے۔

استنادی اہتمام:- امام بغوی رحمہ اللہ آیات کی تفسیر کرتے ہوئے سلف سے منقول روایات عموماً بلا اسناد بیان کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی اس تفسیر کے مقدمے میں ان کی اسانید ذکر کر دی ہیں، آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب روایات کی صحت کا ذکر اہتمام سے کرتے ہیں اور منکر و موضوع روایات سے بچتے ہیں، البتہ بعض اوقات کلبی جیسے ضعیف راویوں سے بھی روایات لے لیتے ہیں۔

فقہی مسائل:- فقہی مسائل کو آسان طور پر بیان کرتے ہیں اور اختلاف کا ذکر اختصاراً کرتے ہیں۔

اسرائیلی روایات میں آپ کا اسلوب:- بعض اوقات اسرائیلیات بیان کر جاتے ہیں، لیکن ان کی تحقیق نہیں کرتے۔

شعر، لغت اور نحو:- مباحثِ ترکیب اور لطائفِ بلاغت میں طوالت سے اجتناب برتتے ہیں اور صرف وہ باتیں پیش کرتے ہیں، جو آیت کے معانی کی وضاحت کے لیے اہم ہوتی ہیں۔